لازوال داستانِ عشق

آدم خان دُرخانی

www.pdfbooksfree.org

دُرخانی کو قدرت کے اُلوہی نظارے پھولوں سے ڈھکی ڈھلوانیں، اَچھوتے نور سے نہائے ہوئے ٹیلے، اُفق کے سیماب پاروں میں کھوئے کہار، آبشاروں کی نقرئی جل ترنگ، چشموں کی ترنم گنگناہٹ، غنچوں کی جان افزاء چٹخ اور طیور کی روح پرور چہچہاہٹ بے حد پسند تھی۔

دُرخانی سوات کے ایک چھوٹے سے گاؤں بازدرہ پایاں میں پیدا ہوئی تھی۔ قرمزی اور دھانی پہاڑیوں سے گھرا شہتوت، اَخروٹ شفتالو کے باغات سے سجا یہ علاقہ قدرت کی رعنائیوں اور ہوشربا نظاروں سے مالا مال تھا۔ اس جنت آسا علاقے کی طرح قدرت نے اسے بھی حسن بے مثال سے نوازا تھا۔ اس کی پیدائش کے ساتھ ہی اس کی ماں اس جہان فانی سے کوچ کر گئی تھی۔ اس کے باپ طاؤس خان نے اسی وقت فیصلہ کرلیا تھا کہ اب وہ کبھی دوسری شادی نہ کرے گا اور اپنی نومولود بچی کی پرورش خود ماں بن کر کرے گا۔

اس کے چچازاد بھائی اور بچپن کے دوست دستور خان نے اسے بہت سمجھانے کی کوشش کی۔

"طاؤس خان! اس طرح کے جذباتی فیصلے بعد کو پچھتاوے کا سبب بنتے ہیں۔" دستور خان نے بھائی کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے رسان بھرے لہجے میں کہا۔ "دُرخانی ابھی بہت چھوٹی ہے۔ اسے ماں کی گرم اور ممتا بھری آغوش کی ضرورت ہے، پھر ابھی تمہاری عمر بھی کیا ہے؟" "تمہاری یہ پہاڑ سی جوانی تنہائی کے ریگزار میں آبلہ پا چلتے کیونکر گزرے گی، بہتر ہے کہ تم دوسری شادی کرلو۔ تمہیں بھی بہرحال سہارے کی ضرورت ہے۔"

"نہیں دستور خان۔" طاؤس خان اپنے فیصلے پر ڈٹا رہا۔ "میں اپنی معصوم بچی پر سوتیلی ماں کو مسلط نہیں کروں گا۔ میں خود ماں بن کر اسے پالوں گا۔ رہا سوال میری تنہائی کا تو اب میں تنہا کہاں ہوں، قدرت نے مجھے یہ پھول سی بچی عطا کردی ہے۔ یہی میرا سہارا ہے اور یہی میری تنہائی کی ساتھی۔"

جب دستور خان نے یہ سمجھ لیا کہ طاؤس خان دوسری شادی کا مشورہ کسی طور نہیں قبول کرے گا تو اس کے سامنے ایک اور تجویز پیش کردی۔

"تم جانتے ہو، دُرخانی کی پیدائش سے محض چار روز پہلے خدا نے مجھے بھی بیٹی عطا کی ہے۔ تو تم ایسا کرو، دُرخانی کو میری بیوی زرگل کے حوالے کردو۔ وہ اپنی بیٹی کیکئی کے ساتھ دُرخانی کی بھی دیکھ بھال کرے گی، اس طرح دُرخانی کو ماں کا دودھ بھی میسر آجائے گا اور ماں کی ممتا بھری آغوش بھی۔"

"شکریہ میرے بھائی۔" طاؤس خان نے ممنون لہجے اور مشکور آواز سے جواب دیا۔ "تمہاری اس محبت اور پیشکش کے لیے میں دل سے تمہارا شکرگزار ہوں۔ تم میرے بھائی ہی نہیں، میرے دوست بھی ہو۔ ہمارے گھر ساتھ ساتھ ہیں، اس حوالے سے تم میرے ہمسائے بھی ہو۔ دُرخانی کو جب بھی بھابی زرگل یا کیکئی کی ضرورت پڑے گی وہ ان سے رجوع کرلے گی۔ جہاں تک اسے بھابی زرگل کے حوالے کردینے کا سوال ہے تو سوچو زرگل پر پہلے ہی گھر کی اور اپنی بیٹی کی ذمے داریاں ہیں۔ ان پر مزید بوجھ ڈالنا مناسب نہیں اور ویسے بھی دُرخانی الگ ہوجائے تو پھر میری زندگی کا کیا مصرف رہ جائے گا۔ دُرخانی سے میری حیاتی میں رونق اور خوشی ہے..... تم اس خوشی میں میرے ساتھ شامل ضرور ہو مگر میرے دوست مجھ سے یہ خوشی چھیننے کی کوشش مت کرو۔"

دستور خان کو خاموش ہوجانا پڑا۔

طاؤس خان کی گاؤں کے چھوٹے سے بازار میں سواتی ٹوپیوں، کلاہ، واسکٹ اور شالوں وغیرہ کی چھوٹی سی دکان تھی۔ شروع میں وہ دُرخانی کو اپنے ساتھ ہی دکان پر لے جاتا تھا۔ جب وہ ذرا بڑی ہوئی تو دستور خان کے مشورے پر اس نے ایک پہاڑی عورت میربائی کو اس کی دیکھ بھال کیلئے رکھ لیا۔ میربائی پہاڑی ٹیلوں کے اس پار ایک غریبوں کی بستی میں رہتی تھی۔ وہ صبح طاؤس خان کے دکان پر جانے سے پہلے اس کے گھر آجاتی اور اس کے واپس لوٹنے کے بعد اپنے گھر چلی جاتی تھی۔ اس دوران وہ گھر کی صفائی، کپڑوں کی دھلائی اور کھانا پکانے کا کام بھی کرلیا کرتی تھی۔

وقت اپنی مخصوص رفتار میں آگے بڑھتا رہا۔ موسم یکے بعد دیگرے آتے جاتے رہے۔ شفتالو کے پیڑوں پر شگوفے کھلتے اور مرجھاتے رہے۔ قرمزی اور خاکستری پہاڑیوں کی نوکیلی، چوٹیاں برف سے سفید ہوتیں اور پھر برف کو پگھلا کر گنگناتے جھرنوں میں بدلتی رہیں۔ کبھی بہار پھول کھلاتی اور خزاں پھولوں کو مرجھانے پر مجبور کردیتی۔ کتنی ہی رُتیں آئیں اور بیت گئیں، پلوں سے جانے کتنا پانی گزر گیا۔ وقت کے متحرک قدموں کے ساتھ سفر کرتی دُرخانی بچپن کی پگڈنڈی پر چلتی عہد شباب کی وادیوں میں داخل ہوگئی تھی۔ وہ نوعمری سے ہی بے حد شرمیلی اور باحیا بچی تھی۔ چھوٹی سی عمر سے ہی اس نے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا تھا۔

"دُرخانی! گھر سے نکل کر دیکھو ہر سمت کیسی سونے جیسی چاندنی بکھری ہوئی ہے۔ محلے کی سب ہی لڑکیاں اس ٹھنڈی اور پُرکیف چاندنی میں آنکھ مچولی کھیل رہی ہیں اور تم ہو کہ پردے کی بُوبو بن کر اندر گھسی بیٹھی ہو؟" اس کے چچا دستور خان کی بیٹی اور اس کی عزیز سہیلی کیکئی اس سے باہر چلنے پر اصرار کرتی تو وہ دھیمی اور ملائم آواز میں جواب دیتی۔

"کیکئی تم تو جانتی ہو، نیلگوں آکاش پر چمکتا وہ طلائی چاند، جھل مل کرتے نقرئی تارے، سبزے کے مخملیں فرش سے سر نکال کر مسکراتے ریشمیں و رنگین پھول، یہ سب مجھے بے حد پسند ہیں..... مگر مجھے گھر سے باہر نکلنا پسند نہیں۔ میں نہیں چاہتی صنوبر و شفتالو کے چھتنار پیڑ، وادیوں میں کھلے انواع واقسام کے پھول، پہاڑوں کے شق سینوں سے رِستے چشمے..... میری جھلک بھی دیکھیں..... بس مجھے گھر میں رہنا اور سب سے پردہ کرنا اچھا لگتا ہے۔"

گاؤں میں ایک مدرسہ موجود تھا، بچے بچیاں اکتساب علم کے لئے اسی مدرسے میں جاتے تھے۔ مگر دُرخانی کی پردہ نشینی کی عادت اور شرمیلی طبیعت کے باعث طاؤس خان نے اسے مکتب میں بٹھانے کی بجائے اس کی تعلیم وتربیت کے لئے گاؤں کے سب سے لائق اور قابل استاد صبغت اللہ خان کو اس کا استاد اور اتالیق مقرر کردیا تھا۔

صبغت اللہ خان ایک عمر رسیدہ نہایت مشفق اور لائق استاد تھا۔ پہلی بار وہ دُرخانی کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا تھا۔ سوات کی سرسبز و شاداب دلکش و معطر وادیوں کی طرح وہاں کے مردوزن بھی حسین وجمیل اور دلکش تھے۔ خاص طور پر صنف نازک پر قدرت کی خاص نظر کرم تھی، ہر چہرہ حور شمائل تھا تو ہر پیکر پری پیکر..... مگر دُرخانی جیسا چہرہ اور سراپا شاید پوری وادی میں نہ تھا۔

پہلی ہی نگاہ میں صبغت اللہ خان کے دل میں دُرخانی کیلئے بیٹیوں جیسی شفقت وانسیت پیدا ہوگئی تھی۔ دُرخانی بھی جلد ہی شفیق اور مہربان استاد سے مانوس و بے تکلف ہوگئی۔ وہ حسین ہی نہیں، ذہین بھی تھی۔ صبغت اللہ کی تعلیم وتربیت نے اس کی مسحور کن شخصیت میں چار چاند لگا دیے تھے..... وہ فطرت کے حسن کو محسوس کرنے، اس سے لطف اندوز ہونے اور اسے خوبصورت لفظوں میں خراج تحسین پیش کرنے کے قابل ہوگئی تھی۔ ہواؤں کے پاؤں میں بندھی ریشمیں پازیب کی جھنکار، فضاؤں میں بکھری طیور خوش الحان کی سریلی چہکار، جھرنوں کی مترنم جل ترنگ اور چشموں کا نغمہ بار تلاطم اس کی سماعتوں میں ایک عجب سا سرور و سرشاری جگا دیتا تھا۔

اُس شام، شام کے سرمئی کاسنی دھندلکوں میں نیلگوں آکاش پر روپہلے اور بے سیماب پارے محو رقص تھے۔ ہواؤں کے نرم جھونکوں میں اوائل جاڑوں کی دل پذیر خنکی کے ساتھ وادیوں میں کھلے نوخیز و شگفتہ پھولوں کی مہک بھی رچی ہوئی تھی۔ آنگن کے بیچوں بیچ کھڑے انجیر کے پیڑ کی ایک لچکتی شاخ پر بیٹھے خوش گلوں پرندے کی مترنم چہچہاہٹ ماحول میں ایک عجب سی شیرینی اور نغمگی گھول رہی تھی۔ دُرخانی دالان کے گول ستون سے ٹیک لگائے ماحول کے طلسم میں اس قدر کھوئی ہوئی تھی کہ اسے استاد محترم صبغت اللہ خان کی آمد کی خبر ہی نہ ہوئی۔ وہ صحن عبور کرکے دالان میں چلے آئے۔

"دُرخانی!" صبغت اللہ نے اسے مخاطب کیا، مگر اسے پتہ ہی نہ چلا۔

"دُرخانی!" ملازمہ میربائی نے اس کے شانے کو ہلا کر استاد کی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔ "استاد محترم تشریف لے آئے ہیں۔"

"اوہ!" دُرخانی یوں چونکی جیسے نیند سے ابھی ابھی بیدار ہوئی ہو۔ "معاف کیجئے گا استاد محترم۔" اس نے سلام کے بعد معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔ "میں فضا کی مترنم و مدھر موسیقی میں کھوگئی تھی۔ میرے دل پر ایک فسوں سا طاری ہوگیا تھا..... ہمیشہ ہی ایسا ہوتا ہے، ایسا کیوں ہوتا ہے استاد محترم؟"

"موسیقی بذات خود ایک جادو ہے۔" دانا و سن رسیدہ استاد نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "اکبر بادشاہ کے دربار میں نورتنوں میں سے اس کا ایک رتن تان سین بھی ہے۔ وہ ایک عظیم موسیقار اور گویا ہے، وہ اپنے راگ راگنیوں سے آسمان سے بارش برسا سکتا ہے اور دھرتی پر آگ لگا سکتا ہے۔"

"کیا واقعی؟" دُرخانی کی نیلگوں شفاف آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "کیا موسیقی میں ایسی طاقت ہے؟"

"ہاں، کیوں نہیں؟" استاد نے اسی سنجیدگی سے جواب دیا۔ "دور کیوں جاؤ، خود ہماری وادیوں میں چنگ و رباب بجانے کے ایسے ایسے ماہر موجود ہیں کہ جب وہ رباب کے مضراب کو چھیڑتے ہیں تو وقت کی رفتار تھم جاتی ہے۔ جب وہ اپنے گلے کا نور فضا میں گھولتے ہیں تو ہر سمت ایسا خیرہ کن اُجالا پھیلتا ہے کہ سماعتیں مدہوش ہوجاتی ہیں اور بینائی چندھیا جاتی ہے۔"

تب ہی طاؤس خان دروازہ دھکیلتا اندر داخل ہوا۔ آج اس کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی، اسی لیے وہ ذرا جلدی گھر لوٹ آیا تھا۔ صبغت اللہ خان کو دیکھ کر اس نے اَدب سے جھک کر سلام پیش کیا۔ باپ کو دیکھ کر دُرخانی احتراماً اٹھ کھڑی ہوئی۔ طاؤس خان نے استاد کے پاس بیٹھتے ہوئے رسوئی گھر کی طرف منہ کرکے میربائی کو مخاطب کرتے ہوئے قہوہ لانے کا حکم دیا۔

"آپ دونوں کے لیے میں قہوہ بنا کر لاتی ہوں۔" دُرخانی نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔ وہ ایک سلیقہ شعار خدمت گزار اور نیک طبیعت لڑکی تھی۔ گھر گرہستی کے تمام امور سے بخوبی واقف تھی اور ہر کام نہایت سلیقے اور قرینے سے سرانجام دیتی تھی۔

"چہرے سے تھکن کے آثار نمایاں ہیں طاؤس خان۔" بوڑھے استاد نے مشفق اور متفکر لہجے میں کہا۔ "لگتا ہے آرام پر بالکل توجہ نہیں دیتے۔"

"دنیا کے جھمیلوں میں پھنسے انسان کیلئے آرام کہاں استاد محترم۔" طاؤس خان نے تھکن سے چور لہجے میں جواب دیا۔ "ویسے بھی اب میں کوئی نوجوان آدمی نہیں رہا ہوں اور آج کل کچھ طبیعت بھی گڑبڑ چل رہی ہے۔"

"طاؤس خان، تمہیں اپنا خیال رکھنا چاہیے۔ ذرا سوچو تمہارے علاوہ دُرخانی کا اور کون ہے؟"

استاد کے کہنے پر طاؤس خان نے گہری سانس لیتے ہوئے افسردہ سے لہجے میں جواب دیا۔ "استاد محترم دُرخانی کے لیے ہی زندہ ہوں..... بس اب ایک ہی آرزو ہے کہ جلد از جلد دُرخانی کو دلہن بنا کر رخصت کردوں اور پھر آرام سے آنکھیں بند کرکے خود بھی دنیا سے رخصت ہوجاؤں۔"

دُرخانی باورچی خانے میں ان دونوں کے لیے قہوہ بنا رہی تھی، اس لیے ان کی گفتگو نہ سن سکی، البتہ کچی زمین پر پانی چھڑکتی میربائی بہت غور سے ان کی باتیں سن رہی تھی۔

میربائی نے ایک طرح سے دُرخانی کو پالا تھا۔ وہ اس سے محبت بھی کرتی تھی اور اس کی بھلائی کی خواہاں بھی تھی مگر وہ ایک جاہل، نادان، لالچی اور خودغرض عورت تھی۔ عورتوں کی فطری برائیاں اس میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ اسے اِدھر کی بات اُدھر کرنے کی عادت تھی۔ دُرخانی ایک پردہ نشین اور باحیا لڑکی تھی۔ کسی نے کبھی اسکی ایک ہلکی سی جھلک بھی نہ دیکھی تھی۔ مگر میربائی ہر جگہ اسکے حسن وجمال کے قصے کچھ اس طرح بیان کرتی کہ نوجوانوں کے دل اسے دیکھنے کیلئے بے چین ہو اٹھتے۔ دھیرے دھیرے پورے گاؤں میں دُرخانی کے بے پناہ حسن کے فسانے پھیل گئے۔ نوجوانوں کی محفلوں میں اُسکے حسن بے کراں کے چرچے ہونے لگے۔

اُس شام سوات کے سب سے بڑے رئیس پایاؤ خان کے گھر ایک زبردست دعوت تھی۔ پایاؤ خان چلغوزوں، اَخروٹ اور خوبانی کے باغات کا مالک تھا۔ ایک اُونچی پہاڑی پر اس کا شاندار حویلی نما گھر تھا اور گھر میں بیسیوں خادمائیں اور خدام موجود تھے۔ روپے پیسے کی کمی نہ تھی۔ کشادہ دل اور کھلے ہاتھ کا مالک تھا۔ آئے دن اس کے شاندار گھر میں پُرتکلف ضیافتیں ہوتی رہتی تھیں۔

اس مہکتی سی شام بھی تمام مہمان ضیافت گاہ میں موجود تھے۔ خدام ان کے سامنے چینی کی پیالیوں اور چاندی کی چینکوں میں قہوہ پیش کررہے تھے۔ دسترخوان پر چاندی کے تھالوں سے اخروٹ اور سوجی کے حلوے سجے تھے۔ گھر کے پچھواڑے گاؤں کے مشاق اور ماہر باورچی دہکتے الاؤ پر سالم دنبے اور بکرے بھون رہے تھے جن کی اشتہا انگیز خوشبو پوری حویلی میں پھیل رہی تھی۔

تب ہی پایاؤ خان کے ایک دوست مستی خان نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "پایاؤ خان! تم چلغوزے اور اَخروٹ کے باغات، صنوبر اور چیڑ کے جنگلوں کے مالک ہو۔ اس شاندار مکان میں رہتے ہو۔ تمہیں خداوند کریم نے ہر چیز فراوانی سے عطا کی ہے لیکن تم تجرد کی زندگی گزار رہے ہو۔ اب تمہیں اپنی اس تنہا زندگی کو خیرباد کہہ دینا چاہیے۔ اس وسیع وعریض مکان میں تمہارے ساتھ کسی اور کو بھی ہونا چاہیے..... بس اب تمہیں شادی کرلینا چاہیے۔" مستی خان کی بات پر پایاؤ خان کے باریک لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی، آج کل وہ خود بھی انہی خطوط پر سوچ رہا تھا۔

"پر جتنا شاندار اور دولتمند پایاؤ خان ہے..... اسکی دلہن بھی اتنی ہی بے مثل و یکتا ہونی چاہیے۔"

دوسرے دوست کے گرہ لگانے پر مہمانوں کے سامنے قہوہ اُنڈیلتا خادم خانو بے ساختہ بول اٹھا۔

"ہاں ایک ایسی لڑکی اسی گاؤں میں موجود ہے۔"

سب ہی نے چونک کر نوجوان خادم کی طرف دیکھا تھا۔ کچھ بوڑھے اور سن رسیدہ مہمانوں کو مالک کی گفتگو میں خادم کا دخل دَر معقولات پسند نہیں آیا۔ مگر نوجوان مہمانوں اور خود پایاؤ خان کی آنکھوں سے شوق اور تجسس جھانکتے دیکھ کر وہ تیور پر بل ڈال کر خاموش ہی رہے تھے۔

"کچھ بتاؤ، وہ کون ہے؟" مستی خان نے خادم خانو کی طرف جھکتے ہوئے رازدارانہ سرگوشی سے پوچھا۔

"اس کے بارے میں ساری تفصیلات میری تائی، میربائی ہی بتا سکتی ہے۔" خانو دھیمی اور قدرے سہمی ہوئی آواز میں گویا ہوا۔ "کیونکہ وہ اس کے گھر میں کام کرتی ہے..... اگر خان کا حکم ہوا تو میں کل صبح ہی میربائی کو یہاں لے آؤں گا.....!"

انعام واکرام کے لالچ میں اور کچھ دُرخانی کی بھلائی کے خیال سے اگلی صبح ہی میربائی، پایاؤ خان کے حضور آحاضر ہوئی۔

"اس لڑکی کا نام دُرخانی ہے۔" میربائی نے سر جھکا کر پورے اعتماد سے بات کا آغاز کیا۔ بولنے کے ہنر سے خوب واقف تھی اور آج اس نے فصاحت کے دریا بہا دینے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ "جیسے حوروں کو خدا نے سیپ میں موتی کی طرح پوشیدہ رکھا ہے..... بالکل اسی طرح وہ حور شمائل حیا وشرم کے ہزار ہا پردوں میں چھپ کر پروان چڑھی ہے۔ کسی غیر مرد نے آج تک اس کی اَدنیٰ سی جھلک بھی نہیں دیکھی۔ وہ آکاش پر چمکتے چودھویں کے چاند سے زیادہ چمکدار، مہر نیم روز سے زیادہ آب وتاب والی، صنوبر سے زیادہ بلند قامت، نازک پھولوں سے زیادہ خوش رنگ وخوش اَندام، سبک رو جھرنوں سے زیادہ سبک رفتار اور خوش تخن طیور سے زیادہ خوش گو ہے۔ غرض کہ اس جیسی دوسری کوئی دلکش و دلربا لڑکی پوری وادی میں کیا، آگرہ کے بادشاہ اکبر کے ہندوستان کے طول وعرض میں موجود نہیں۔"

صبغت اللہ خان گو کہ دُرخانی کو پڑھاتا تھا، مگر میربائی بھی لفظوں کی رعنائی سے اپنے جہل زدہ ذہن و دل کو سنوارتی رہی تھی اور آج جس پُراثر انداز میں اس نے مستی خان اور پایاؤ خان کے سامنے دُرخانی کے حسن کا قصیدہ پڑھا تو مستی خان بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ خاص طور پر نوجوان پایاؤ خان کا دل عجب مضطرب انداز میں دھڑک اٹھا اور اس نے اسی وقت دُرخانی سے شادی کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

www.pdfbooksfree.org

☆......☆......☆

وادیٔ سوات کے ایک اور گاؤں بازدرہ بالا کا نیلا آسمان سیاہ بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ ڈوبتے سورج کی سرخی، سیاہ بادلوں کی اُوٹ میں غرقاب ہوکر رہ گئی تھی۔ گھن گھور گھٹاؤں کے باعث شام کا سرمئی رنگ کچھ اور گہرا ہوگیا تھا۔ ہواؤں کے نرم جھونکوں میں موسم سرما کی آمد کی پیامبر مسرور آمیز سی خنکی اور پانی سے بھرے شب دیجور کے سے سیاہ بادلوں کی راحت انگیز نمی رچی ہوئی تھی۔

ایسے میں سردار حسن خان کا اکلوتا چہیتا اور وجیہہ وشکیل بیٹا آدم خان اپنے دوستوں میرو خان اور بالو خان کے ساتھ گھر کے پچھواڑے گھاس کے مخملی فرش پر بیٹھا رباب بجانے میں مصروف تھا۔

آدم خان کو رباب بجانے میں ایسی مہارت حاصل تھی کہ جب وہ محفل میں رباب بجاتا تو لوگ جوق در جوق اس کی جانب کھنچے چلے آتے تھے۔ اس کے گیتوں میں ایسی شیرینی اور دلنوازی تھی کہ انسان تو انسان چرند و پرند بھی اس کی آواز سن کر اپنی جگہ ساکت رہ جاتے تھے۔ اس کی شاندار شخصیت، اس کی رباب بجانے کی مہارت اور دلکش و دل نشین آواز کے باعث قبیلے کی دوشیزائیں دل وجان سے اس پر فریفتہ تھیں، مگر اس کی نگاہِ بے نیاز کسی چہرے پر ٹکتی ہی نہ تھی۔ آج تک کوئی چہرہ، کوئی سراپا اس کی نظروں سے ایسا نہ گزرا تھا کہ جس نے اس کے ساکت وبے پرواہ دل کو دھڑکا یا ہو۔

وہ صنفِ مخالف کی فریفتگی وآشفتہ سری سے بے نیاز اپنے رباب کے مضراب اور اپنے گیتوں کے بولوں میں ڈوبا رہتا، اسے دُور دُور سے تقریبات میں گانے کیلئے بلایا جاتا اور جب کہیں جانا نہ ہوتا تو وہ اپنے دوستوں میرو اور بالو خان کے ساتھ اپنے گھر کی پچھلی جانب سبزے پر بیٹھ کر رباب چھیڑتا تو اُڑتے پرندے اپنی پرواز بھول کر ساکت ہوجاتے، پھولوں کی ہوا میں تحلیل ہوتی خوشبو، جہاں کی تہاں تھم جاتی..... وقت کے متحرک قدم رک جاتے۔

"سنتی ہو ہمارا بیٹا آدم خان کس کمال کا رباب بجاتا ہے۔" سردار حسن خان نے دریچے میں کھڑی بیٹے کے فن میں کھوئی اپنی بیوی زریاب گل کو مخاطب کرتے ہوئے فخریہ لہجے میں کہا تو وہ بے ساختہ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"ہاں! خدا اسے نظر بد سے بچائے۔" وہ ممتا بھرے مضطرب لہجے میں بولی۔ "ہر وقت یہی ڈر لگا رہتا ہے، کہیں اسے کسی کی نظر نہ لگ جائے۔"

سردار حسن خان ایک نیک دل محبت کرنے والا اور مہربان انسان تھا۔ اس کے قبیلے اور گاؤں کے سب ہی لوگ اس سے بے حد محبت کرتے اور اس کا بے اندازہ احترام کرتے تھے اور اس کے ایک اشارے پر اپنا سب کچھ نثار کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔

نوجوانی کے دور میں ایک بار وہ اپنے ایک دوست صنوبر خان کے ساتھ کابل گیا تھا اور وہاں اسے ایک افغانی لڑکی خانم پسند آگئی تھی۔ وہ ایک دراز قد کی باوقار اور سنجیدہ لڑکی تھی۔ اس کی بڑی بڑی بھوری آنکھوں میں ایسی گہرائی تھی کہ حسن خان کو اپنا دل ان آنکھوں میں ڈوبتا محسوس ہوا تھا۔ اس نے اسی وقت خانم سے شادی کا فیصلہ کرلیا۔

"مگر حسن خان! تم شاید بھول رہے ہو..... تمہاری منگنی تمہارے چچا کی بیٹی زریاب گل سے ہوچکی ہے۔ یہاں سے واپس جاتے ہی تمہاری شادی ہونے والی ہے..... بھلا ایسے میں تم خانم سے کس طرح شادی کا فیصلہ کرسکتے ہو؟"

"زریاب گل سے میری صرف منگنی ہوئی ہے، شادی تو نہیں۔" حسن خان نے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔ "اگر میری شادی بھی ہوچکی ہوتی تو بھی میں خانم سے ضرور شادی کرتا..... پر صد شکر کہ زریاب گل ابھی اپنے باپ کے گھر میں ہے..... میرے گھر میں صرف خانم ہی میری شریک حیات بن کر آسکتی ہے۔"

خانم کا باپ شیر خان جنگل میں لکڑی کاٹنے کا کام کرتا تھا اور اپنی بیٹی کی شادی کسی لکڑہارے سے کرنے کا خواہشمند تھا۔ سو اس کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے سردار حسین خان کے بیٹے حسن خان نے جنگل میں لکڑیاں کاٹنے کا کام کرنا قبول کرلیا۔

"حسن خان تم پاگل تو نہیں ہوگئے ہو؟" اس کا دوست صنوبر خان اسے سمجھانے کی کوشش کرتا۔ "تم بازدرہ بالا کے یوسف زئی قبیلے کے سردار کے بیٹے ہو۔ تم مستقبل کے سردار ہو اور تم یہاں ایک معمولی لکڑہارے کی طرح جنگل میں لکڑیاں کاٹنے کا کام کررہے ہو، یہ سب کیا ہے؟"

"یہ عشق ہے، عشق ہے۔" حسن خان مسکرا کر جواب دیتا۔ "میں خانم کے حصول کی خاطر کچھ بھی کرسکتا ہوں، لکڑیاں کاٹنا تو کیا میں فرہاد کی طرح پہاڑ کاٹ کر جوئے شیر بھی نکال سکتا ہوں۔"

"حسن خان، اُدھر گاؤں میں تمہاری شادی کی تیاری مکمل ہوچکی ہے، تمہارے والد کے پیغام پر پیغام آرہے ہیں، وہاں زریاب گل کے ہلدی اور اُبٹن لگ رہا ہے، وہ مایوں بیٹھ چکی ہے اور تم یہاں خانم کے عشق میں فرہاد بننے کی کوشش کررہے ہو؟"

حسن خان کی طرف سے کوئی تشفی بخش جواب نہ پا کر صنوبر خان نے واپسی کی راہ لی اور اس کے باپ حسین خان کو سارا احوال کہہ سنایا تھا۔ اس وقت اس کا چھوٹا بھائی شبر خان بھی وہاں موجود تھا۔ زریاب گل شبر خان کی ہی بیٹی تھی۔ بیٹے کی نامعقول حرکت کے بارے میں سن کر حسین خان اور شبر خان کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ وہ دونوں غصے میں آگ بگولا ہوا اٹھے تھے..... مگر اسی وقت زریاب گل کمرے میں داخل ہوئی۔ ہلدی اور اُبٹن لگنے کے باعث اس کی گلابی رنگت، زردی مائل ہورہی تھی۔ اس نے چوکھٹ کے اس پار رک کر ساری بات سن لی تھی۔ کچھ اس وجہ سے بھی اس کی رنگت متغیر ہوگئی تھی۔

حسن خان کی بے وفائی پر اسکے دل پر چوٹ لگی تھی۔ وہ بچپن سے ہی اس سے وابستہ تھی۔ ہوش سنبھالتے ہی اسے یہ بتا دیا گیا تھا کہ وہ حسن خان کی منگیتر ہے اور جلد ہی اسکی دلہن بن کر اس کے گھر جانے والی ہے..... ہوش سنبھالنے سے اب تک پل پل اس نے حسن خان کے ہی سپنے دیکھے تھے۔ وہ اس کی دھڑکنوں میں بسا تھا..... خون کے ساتھ اس کی نس نس میں رچا ہوا تھا۔ وہ اسے دل کی گہرائیوں اور روح کی سچائیوں سے چاہتی تھی۔

چند دنوں بعد اس کی شادی ہونے والی تھی مگر اب حسن خان کے دوست صنوبر خان نے یہ اطلاع دی تھی کہ حسن خان ایک افغانی لڑکی خانم کے عشق میں گرفتار ہوکر، سب کو فراموش کرکے وہاں اس کے باپ کے ساتھ جنگل میں لکڑیاں کاٹنے کا معمولی کام کررہا ہے۔

"میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گا۔" حسن خان کے باپ خان حسین خان نے غصے بھرے لہجے میں کہا۔ "اس نے مجھے اپنے بھائی کے سامنے شرمندہ کردیا، اسے زریاب گل کا بھی خیال نہیں آیا جو اس کے نام کا پیلا جوڑا پہنے مایوں بیٹھی ہوئی ہے۔"

"نہیں کاکا۔" زریاب گل نے آگے بڑھ کر دھیمی آواز میں کہا۔ "کسی کو پسند کرنا اور اس کے ساتھ زندگی گزارنے کا فیصلہ کرنا کوئی جرم یا گناہ نہیں ہے۔"

"زریاب گل یہ تم کہہ رہی ہو؟" حسین خان حیرت زدہ سا بولا۔ "میری بچی! اس نے تمہیں برباد کردیا۔ کیا تمہیں اس بات کا احساس نہیں ہے؟"

"ایسا کچھ نہیں ہوا کاکا۔" زریاب گل کرب بھرے انداز میں مسکرائی۔ "اگر ہم نے حسن خان کو معاف نہیں کیا..... تو افغانی کہیں گے کہ ہم سواتیوں کے سینوں میں پتھر کے دل ہیں جو محبت کی لطافت کو محسوس نہیں کرسکتے۔ میرا کیا بگڑا ہے، میں تو اپنے باپ کے گھر بیٹھی ہوں، میں آپ سے التجا کرتی ہوں، آپ اپنے بیٹے کو معاف کردیں اور اسے اور اس کی ہونے والی دلہن خانم کو اپنے گاؤں اپنے گھر آنے کی اجازت دے دیں۔"

زریاب گل کے عمل نے سب کو حیران کردیا تھا۔ آخرکار سب اس کی بات ماننے پر مجبور ہوگئے تھے اور چند روز بعد حسین خان، صنوبر خان کے ساتھ کابل گیا تھا اور بڑے تزک واحتشام سے خانم کو بیاہ کر اپنے گھر لے آیا تھا۔ زریاب گل کے عمل نے حسن خان کو ہی نہیں، خانم کو بھی بے حد متاثر کیا تھا، وہ دونوں اس کے بے حد ممنون ومشکور تھے۔

زریاب گل کے باپ شبر خان کا خیال تھا کہ وہ کچھ ہی عرصے میں زریاب گل کی شادی کرکے اپنے فرض سے سبکدوش ہوجائے گا..... مگر زریاب گل حیلے بہانوں سے مسلسل شادی سے انکار کرتی رہی، جلد ہی سب کو احساس ہوگیا تھا کہ زریاب، حسن خان کو بھول نہیں پائی ہے اور وہ اس کی جگہ کسی اور کو خوشی نہیں دے سکتی۔ اس کا باپ ایک باشعور اور تعلیم یافتہ انسان تھا۔ وہ بیٹی کے دلی جذبات واحساسات کو محسوس کرسکتا تھا، اسلئے وہ بھی خاموش ہوگیا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ زریاب گل کی شادی کے سلسلے میں جلد بازی کی بجائے اسے کچھ وقت دینا چاہیے۔ ہوسکتا ہے وقت گزرنے کے ساتھ یہ زخم مندمل ہوجائے اور وہ شادی کے لیے آمادہ ہوجائے۔

وقت گزرتا رہا۔ دیکھتے ہی دیکھتے آٹھ سال بیت گئے۔ ان آٹھ سالوں میں خانم، حسن خان کے لیے ایک بہت اچھی، خدمت گزار، وفادار اور محبت کرنے والی بیوی اور اپنے سسرال والوں کے لئے بھی ایک محبت اور ادب واحترام کرنے والی بہو ثابت ہوئی تھی۔

اس نے حسن خان کو بے حد خوشیاں دی تھیں مگر وہ اسے اولاد کی خوشی نہ دے سکی تھی۔ حسن خان اپنے باپ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اب اسے ڈر تھا کہ حسن خان کی اولاد نہ ہوئی تو اسکی سرداری اور نام ونشان سب ہی کچھ مٹ جائیگا۔ سب ہی حسن خان کو دوسری شادی کا مشورہ دیتے۔ سب کی نگاہیں تنہا بیٹھی زریاب گل کی طرف اٹھیں۔ خود خانم بھی حسن خان سے اصرار کرتی کہ وہ کسی اور سے نہیں، زریاب گل سے شادی کرے۔ وہ اسکے ساتھ نسی خوشی رہ لے گی۔

"مگر خانم! میری جان، میں تمہاری محبت میں کسی اور کو شریک نہیں کرسکتا۔" حسن خان، خانم کی گہری گہری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سچے لہجے میں جواب دیتا۔ "اگر خدا نے مجھے اولاد دینی ہے تو وہ تمہارے ذریعے دے دے گا..... ورنہ حسن خان کو اولاد کی ضرورت نہیں ہے۔"

مگر خانم جانتی تھی کہ حسن خان کو اولاد کی ضرورت ہی نہیں، بے پناہ چاہت بھی ہے مگر وہ اس کی محبت میں اس کے اظہار سے گریزاں رہا۔

پھر ایک شام وہ زریاب گل کا ہاتھ تھام کر اُونچے پہاڑوں کے اُس پار واقع گھنے جنگل کی طرف چل دی۔ "خانم! اس طرف تو گھنا جنگل ہے۔ وہاں کہاں جارہی ہو؟"

کچھ دور چل کر زریاب گل نے حیران لہجے میں سوال کیا۔

"مجھے پتہ چلا ہے کہ وہاں گھنے جنگل کے اس پار غار میں ایک خدا رسیدہ فقیر عبادت وریاضت میں مصروف ہے..... میں اسی کے پاس دعا کے لئے جارہی ہوں، کیا اس مشکل وقت میں تم میرے ساتھ نہیں چلوگی؟"

"ہاں کیوں نہیں۔" زریاب گل نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ وہ بھی دل سے چاہتی تھی کہ خانم اور حسن خان کی زندگی کی یہ محرومی دور ہوجائے۔

وہ دونوں کئی گھنٹوں تک گھنے جنگل میں چلتی رہیں۔ بالآخر وہ اس مطلوبہ غار تک جا پہنچی تھیں۔ بزرگ کے داڑھی اور سر کے بال بے حد بڑھے ہوئے تھے اور ان میں گرد اور تنکے پھنسے ہوئے تھے۔ وہ آنکھیں بند کیے مراقبے کی سی حالت میں بیٹھا تھا۔ آہٹ پر اس نے پلٹ کر دیکھا۔ اس کی سرخ آنکھوں میں لحظہ بھر کو ناگواری چمکی لیکن اگلے ہی لمحے رحم اور مہربانی اتر آئی تھی۔

"تو اولاد کی آرزو نہ کرتو بہتر ہے کیونکہ اولاد کے ہوتے ہی تو زندگی کی بازی ہار جائے گی۔" بزرگ نے خانم کو مخاطب کرکے تقدیر کے لکھے سے آگاہ کیا۔

لحظہ بھر کو خانم کا رنگ متغیر ہوا تھا، پر اگلے ہی لمحے وہ پورے اعتماد اور یقین سے گویا ہوئی۔ "محترم بزرگ! میرے لیے رب سے دعا کیجئے، وہ مجھے اولاد کی نعمت عطا کردے اور اسکے بدلے بے شک اگر وہ میری جان لینا چاہتا ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

"خانم۔" زریاب گل نے خانم کو سمجھانا چاہا۔ "کیسی بات کرتی ہو، تم نہ رہیں تو وہ بچہ کس کام کا۔"

"نہیں زری۔" خانم دھیمی آواز میں بولی۔ "میں وہ بچہ اپنے حسن خان اور اس کے خاندان کے لئے مانگ رہی ہوں..... مجھ سے زیادہ انہیں میرے بچے کی ضرورت ہے۔ میرے رہنے یا نہ رہنے سے کچھ خاص فرق نہیں پڑے گا۔"

"مگر خانم..... تم جانتی ہو..... حسن خان تم سے کس قدر محبت کرتا ہے..... خدانخواستہ تمہیں کچھ ہوا تو وہ بھی زندہ نہ رہ سکے گا۔"

"زریاب اس وقت تمہیں مجھ سے ایک وعدہ کرنا ہوگا۔" خانم نے زریاب گل کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔ "کہ میرے بعد تم حسن خان کے شکستہ دل کو سہارا دوگی اور میرے بچے کو ماں بن کر پالوگی۔"

"مگر خانم۔" زریاب گل نے حیران وپریشان ہوکر کچھ کہنا چاہا، مگر خانم نے اسکے ہونٹوں پر اپنا نرم ہاتھ رکھ کر اسے مزید بولنے سے روک دیا۔

"زری! اس طرح مجھے میرے گناہ کا کفارہ ادا کرنے کا موقع بھی مل جائے گا۔ تمہارا دل دُکھا کر میں نے تمہاری جگہ لی۔ یہ سچ ہے کہ اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے، مگر بہرحال، میں ہی وہ عورت ہوں جو تمہارے بچپن کے منگیتر حسن خان کی بیوی بن گئی..... مجھے معاف کردو زری اور مجھ سے وعدہ کرو کہ میرے بعد تم میرے شوہر اور میرے بچے کو اپنا لوگی اور انہیں کبھی میری کمی محسوس نہ ہونے دوگی۔"

زریاب گل نے مجبور ہوکر سر جھکا لیا۔ بزرگ نے بہت منع کرنے کے بعد آخر خانم کے بیحد اصرار پر، اسکے حق میں دعا کرنے کا وعدہ کرلیا..... رات گئے وہ دونوں جنگل سے گھر لوٹ آئی تھیں۔

چند دنوں بعد ہی سب کو یہ خوشخبری مل گئی کہ خانم ماں بننے والی ہے۔ حسن خان کو خبر ہوئی تو وہ خوشی سے ناچ اٹھا تھا۔

"دیکھا خانم..... میں نہ کہتا تھا کہ کبھی نہ کبھی ہمارا اللہ ہماری دعا ضرور قبول کرے گا۔ تم دیکھنا وہ ہمیں ایک خوبصورت اور توانا بیٹا عطا کرے گا۔"

"خدا آپ کی دعا اور تمنا پوری کرے۔" خانم نے اُداس لہجے میں جواب دیا۔

"اتنی بڑی خوشی ملی، تم خوش نہیں ہو۔" حسن خان حیران ہوکر بولا۔ "بھلا مجھے بتاؤ ایسا کیا غم ہے جو اس خوشی پر حاوی ہے اور تمہارا پھول سا چہرہ دن بہ دن مرجھاتا جارہا ہے۔"

"حسن خان! اس حالت میں عورتوں کی ایسی ہی کیفیت ہوتی ہے۔" حسن خان کو پریشان دیکھ کر اس کا بوڑھا باپ حسین خان اسے سمجھاتا۔ "بس تم خانم کے کھانے پینے کا خیال رکھو اور اسے ہر دم خوش رکھنے کی کوشش کرو۔ کچھ ہی مہینوں کی بات ہے..... انشاء اللہ بچے کی ولادت کے بعد سب ٹھیک ہوجائے گا۔"

"خانم! تم اللہ کی ذات سے اتنی مایوس کیوں ہوتی جارہی ہو۔" اسے اداس اور کھویا کھویا دیکھتی تو زریاب گل اسے سمجھانے بیٹھ جاتی۔ "ہوسکتا ہے اوپر والا اولاد کے ساتھ تمہیں نئی زندگی بھی دے دے۔ میرا دل کہتا ہے تم اپنے بچے کی خود پرورش وتربیت کرسکوگی۔ تم اسی طرح اپنی زندگی کے بقیہ دن بھی اپنے بے حد چاہنے والے شوہر حسن خان کے ساتھ گزاروگی۔"

زریاب گل کی باتوں پر خانم کے لبوں پر پژمردہ سی مسکراہٹ بکھر جاتی، وہ نوشتۂ دیوار پڑھ سکتی تھی، یہ سودا تو خود اس نے کیا تھا اور اس سودے پر اسے کوئی پچھتاوا نہیں تھا۔ اسے اپنی موت کا غم نہیں تھا، اسے اس بات کا غم تھا کہ اس کے بعد حسن اور آنے والا ننھا مہمان کیونکر زندہ رہ سکیں گے..... گو کہ اسے زریاب گل پر اعتبار تھا..... مگر اس کے باوجود ان دونوں کی جدائی کا غم اسے ابھی سے اندر ہی اندر دیمک کی طرح چاٹے جارہا تھا۔

اللہ اللہ کرکے وقت گزرا..... خانم نے ایک چاند سے بیٹے کو جنم دیا۔ خانم کی خواہش پر ہی بچے کا نام "آدم خان" رکھا گیا۔ بچے کی پیدائش پر اس کے باپ حسن خان کی خوشی دیدنی تھی۔

زریاب گل اور اس کا باپ شبر خان بھی ان کی خوشی میں برابر کے شریک تھے۔ پورے گاؤں میں خوشیاں منائی جارہی تھیں۔ مٹھائیاں تقسیم ہورہی تھیں، ڈھول تاشے بج رہے تھے اور رباب وچنگ بجانے والے مضراب پر طربیہ نغمے چھیڑ کر محفل کے رنگ کو دوبالا کررہے تھے۔

راتوں کو چراغاں کیا جارہا تھا۔ ہر چہرہ مسکرا رہا تھا۔ ہر ذی نفس مسرور وشاداں تھا۔ ہر سمت خوشیاں ہی خوشیاں تھیں۔ ہر طرف روشنیاں ہی روشنیاں تھیں، مگر خانم کا دل مفلس کے چراغ کی طرح شام سے ہی بجھا سا رہنے لگا تھا۔

آدم خان کی ولادت کے بعد سے ہی اس کی حالت مزید خراب ہوگئی تھی۔ مزید تین دن، اس کے اسی کرب واضطراب میں گزر گئے۔ چوتھے دن اس نے حسن خان کو بلایا تھا۔ حسن خان اس کی دگرگوں حالت دیکھ کر پریشان ہوگیا تھا۔

"خانم... میری زندگی۔ یہ تمہاری حالت اس قدر کیوں بگڑ رہی ہے؟"

اس کے لہجے میں حیرت کے ساتھ اذیت بھی شامل تھی۔

"بس میرے سرتاج..... مجھے لگتا ہے میری زندگی کا چراغ اب گل ہونے کو ہے۔"

"خبردار جو کبھی ایسا سوچا۔" حسن خان نے بگڑ کر جواب دیا۔ "معمولی طبیعت خراب ہے، میں علاقے کے بڑے سے بڑے حکیم کو بلاؤں گا۔ یہاں فائدہ نہ ہوا تو تمہیں لے کر دِلی اور آگرہ جاؤں گا۔ سنا ہے وہاں بڑے پائے کے وید اور طبیب موجود ہیں۔" حسن خان نے اسی وقت علاقے کے سارے حکیم وطبیب جمع کرلئے تھے۔ پر مرض بڑھتا رہا جوں جوں دوا کی، کے مصداق خانم کی حالت بگڑتی چلی گئی۔

حسن خان اسے لے کر ہندوستان کے بڑے شہروں میں علاج معالجے کیلئے جانا چاہتا تھا مگر اس کی حالت ایسی نہ تھی کہ وہ سفر کرسکتی..... سب حیران تھے، سب ہی پریشان تھے۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کیا جائے اور کیا نہ کیا جائے۔ حسن خان عجب شادی ومرگ کی سی کیفیت سے دوچار تھا۔ ایک طرف وہ بیٹے کی ولادت پر بے حد خوش تھا تو دوسری طرف عزیز از جان بیوی کی شدید بیماری پر دکھی اور پریشان تھا۔

اُس دن صبح سے ہی موسم بہت عجیب تھا۔ درودیوار پر ایک عجیب سی اُداسی بال کھولے سو رہی تھی۔ ہواؤں میں اَن سنی سی سسکیاں رچی ہوئی تھیں، ہر شے سے ایک مایوسی اور افسردگی ٹپک رہی تھی۔ خانم اپنے کمرے میں بے سدھ پڑی تھی۔ حسن خان آنکھوں میں حسرت وچاہت لئے اس کے سامنے موجود تھا، ساتھ ہی بھیگی پلکوں کے ساتھ زریاب بھی موجود تھی۔ ننھا آدم خان اس کی گود میں سویا ہوا تھا۔

"حسن خان..... میرے سرتاج..... میرے محبوب!" اچانک ہی کمرے کی خاموش اور ساکت فضا میں خانم کی پژمردہ اور نقاہت بھری آواز اُبھری۔

"بولو خانم..... میری جان..... میری زندگی بولو۔" حسن خان دیوانہ وار اس کی طرف لپکا۔ "تم کیسا محسوس کررہی ہو؟..... تم ٹھیک تو ہونا؟"

"حسن خان! اب میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔" خانم نے اس کا ہاتھ اپنے نحیف ونزار ہاتھوں میں لیتے ہوئے دھیمی آواز میں کہا۔ "وقت رخصت قریب آچلا ہے، میں جانے سے پہلے تم سے ایک وعدہ لینا چاہتی ہوں۔ وہ یہ کہ..... تم میرے بعد زریاب گل سے شادی کرلوگے اور ننھے آدم خان کو اس کی آغوش میں پرورش کے لئے دے دوگے۔"

"خانم!" حسن خان نے پُراحتجاج لہجے میں کہا۔ "یہ سب مت کہو، تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔ اپنے بچے کی پرورش کیلئے تم خود حیات رہوگی۔ فضول باتیں کرکے اپنا اور میرا دل مت جلاؤ۔"

"نہیں حسن خان۔" خانم نے پھر ہمت کرکے بولنا شروع کیا۔ "تمہیں مجھ سے وعدہ کرنا ہوگا کہ تم میرے بعد زریاب گل کو اپنی زندگی کا ساتھی بنالوگے۔ مجھے یقین ہے زریاب گل میرے بیٹے آدم خان کیلئے ایک اچھی ماں ثابت ہوگی۔"

اور اسی شام خانم، حسن خان اور ننھے آدم خان کو روتا بلکتا چھوڑ کر ملک عدم سدھار گئی۔ ننھے آدم خان کو تو پتا ہی نہیں تھا کہ اس کی زندگی کا سب سے عظیم رشتہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اس سے بچھڑ گیا ہے۔ وہ زریاب گل کی نرم گود میں بے خبر سویا ہوا تھا البتہ حسن خان پر غشی کے دورے پڑ رہے تھے۔ بڑی مشکلوں سے اسے ہوش میں لایا جاتا۔ وہ خالی خالی نظروں سے چاروں طرف دیکھتا۔ جوں ہی خانم کے جسد خاکی پر نظر پڑتی "ہائے خانم" کا نعرہ بلند کرتا اور پھر بے ہوش ہوجاتا۔

خانم کی موت کے بعد کئی ہفتوں تک حسن خان کی حالت بے حد خراب رہی۔ پھر باپ کی توجہ، دعائیں اور زریاب گل کی بے لوث محبت اور خدمت نے اسے زندگی کی طرف واپس لوٹنے پر مجبور کردیا تھا۔

جیسے ہی اس کی طبیعت کچھ بہتر ہوئی تھی تو ایک صبح اس کے باپ حسین خان نے اس سے کہا۔ "حسن خان! تم تو جانتے ہو تمہارا یہ بوڑھا باپ چراغ سحری ہے، جانے کب کس لمحے یہ چراغ گل ہوجائے۔ میں مرنے سے پہلے ایک بار پھر تمہیں آباد اور خوش وخرم دیکھنا چاہتا ہوں۔ خانم کی خواہش تھی کہ تمہاری شادی زریاب گل سے کردی جائے۔ اگر تمہاری منشاء اور اجازت ہو تو میں اپنے بھائی شبر خان سے بات کروں..... کیونکہ میرا خیال ہے کہ زریاب گل سے زیادہ اچھی ماں آدم خان کو کوئی اور نہیں مل سکتی اور اس سے اچھی بیوی تمہارے لئے کوئی اور نہیں ہوسکتی۔ میرا ہی نہیں مرحومہ خانم کا بھی یہی خیال تھا۔"

سو حسن خان نے باپ اور مرحومہ بیوی کی خواہش کے سامنے سر جھکا دیا تھا اور بوڑھا سردار حسین خان ایک بار پھر چھوٹے بھائی کے دروازے پر دامن سوال دراز کیے جا پہنچا۔ "شبر خان ایک بار پہلے بھی میں نے تم سے زریاب گل کا رشتہ مانگا تھا اور تم نے اپنی لخت جگر کو میرے سوال پر میرے دامن میں ڈال دیا تھا..... مگر شاید تقدیر کو اس وقت یہ منظور نہ تھا۔ آج ایک بار پھر میں تمہارے سامنے دستِ سوال پھیلا رہا ہوں، اگر تمہیں انکار ہوگا تو بھی میں شکوہ نہ کروں گا اور اگر تم میرا سوال قبول کرلوگے تو یہ تمہارا اپنے بڑے بھائی پر احسان ہوگا۔"

"لالہ کیسی بات کرتے ہو۔" شبر خان اشکبار آنکھوں کے ساتھ بڑے بھائی کے سینے سے لگ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی بیٹی زریاب گل، حسن خان سے سچی محبت کرتی ہے اور اس کے سوا کسی اور کو اپنی زندگی میں شامل کرنے کیلئے تیار نہیں، اب تقدیر نے اسکی آرزو اور خوشی پوری کرنے کا اہتمام کردیا تھا..... تو وہ کیوں راہ میں رکاوٹ ڈالتا۔ سو اس نے بہ خوشی یہ رشتہ قبول کرلیا..... اور دو روز بعد ہی زریاب گل، حسن خان کی منکوحہ بن کر اس کے گھر چلی آئی۔ حسن خان کی شادی کے کچھ ہی دنوں بعد بوڑھے سردار حسین خان کا انتقال ہوگیا۔ اب قبیلے اور گاؤں کی سرداری کی ذمے داری حسن خان کے کاندھوں پر آگئی تھی۔ اس کے باوجود وہ آدم خان کی تعلیم وتربیت کی طرف سے غافل نہیں تھا۔ خود زریاب گل ایک بے حد اچھی ماں ثابت ہوئی تھی۔ وہ دن رات آدم خان کی تعلیم وتربیت میں مصروف رہتی۔ اسے گاؤں کے مکتب میں بٹھانے کے علاوہ کلام اللہ کی تعلیم کیلئے ایک مولوی صاحب کا بھی بندوبست کیا گیا تھا۔ ساتھ ہی اسے تیر وتفنگ چلانے کی تربیت بھی دی جارہی تھی۔ مگر وہ ہتھیاروں کی کھنک سے زیادہ رباب وچنگ کی دل فزا دھن سے متاثر ہوتا تھا۔ اس کے شوق کو دیکھتے ہوئے زریاب گل نے اسے ایک چھوٹا سا رباب لادیا تھا اور جب اس نے پہلی بار رباب کے تار چھیڑے تھے تو حسن خان چونک اٹھا تھا۔

"یہ کیا زریاب گل..... بیٹے کو خنجر وتلوار دینے کی بجائے تم نے اسکے ہاتھوں میں رباب تھما دیا۔ ہم پہاڑی لوگوں کے ہاتھ تیر وتفنگ چلانے کے لئے بنے ہیں نا کہ انگلیاں رباب وچنگ کے تاروں کو چھیڑنے کے لئے۔"

"حسن خان ہمارا بیٹا تیر وتلوار کا بھی ماہر بنے گا لیکن اگر وہ کچھ وقت رباب بجا کر خوش ہولیتا ہے تو اس میں حرج بھی کیا ہے..... سنو تو اس کی آواز میں کس قدر دلکشی اور رعنائی ہے اور اتنی سی عمر میں وہ کس عمدگی سے رباب بجاتا ہے۔"

تعلیم کی تکمیل کے ساتھ ہی آدم خان رباب بجانے میں بھی ماہر ہوگیا تھا۔ جب وہ رباب چھیڑتا تو کائنات کی ہر شے ساکت ہوجاتی، پرندے اپنی پرواز بھول جاتے، چلتی ہوا کے قدم رک جاتے اور وقت تھم سا جاتا۔

باہر گھر کی پچھلی جانب پھیلے سبزے پر بیٹھا آدم خان رباب بجا رہا تھا اور اندر کمرے میں موجود زریاب گل اور حسن خان اس کی دھن پر سر دھن رہے تھے۔ تب ہی ایک خادمہ اندر داخل ہوئی۔

"خان کے دوست صنوبر خان اپنی صاحبزادی شاہ بانو کے ساتھ تشریف لائے ہیں۔" خادمہ نے قدرے جھکتے ہوئے مؤدبانہ لہجے میں مہمانوں کی آمد کی اطلاع دی۔

"انہیں یہیں بھیج دو۔" حسن خان نے جواب دیا اور چند لمحوں بعد ہی صنوبر خان اور اس کی حسین لڑکی شاہ بانو مسکراتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ آدم خان کی رباب کی آواز سنتے ہی شاہ بانو بے خود سی باہر کے دروازے کی طرف چل دی تھی۔ سامنے تاریکی میں آدم خان اپنے دوستوں میرو خان اور بالو خان کے ساتھ بیٹھا رباب بجا رہا تھا۔

شاہ بانو پر نظر پڑتے ہی میرو خان کی آنکھوں میں چمک سی جاگ اٹھی۔ وہ جانتا تھا کہ شاہ بانو دل وجان سے آدم خان پر فدا ہے۔ اس کے باوجود وہ اپنے دل میں اس کے دل محبت بھرے احساسات محسوس کرتا تھا۔

شاہ بانو خواب کی سی کیفیت میں چلتی آدم خان کے قریب جا کھڑی ہوئی۔ آہٹ پر آدم خان نے پلٹ کر اسکی جانب دیکھا اور رباب پر متحرک انگلیاں رُک گئیں۔ اس کے ہاتھ رکھتے ہی فضا میں مچلتی دل نواز دھن بھی رک گئی تھی۔

"شاہ بانو..... تم..... اس وقت اور یہاں؟" آدم خان نے قدرے حیرت اور ناگواری سے اس کی طرف دیکھا۔

"بابا جان کے ساتھ آئی تھی..... تمہارے رباب کی آواز یہاں کھینچ لائی..... تم نے بجانا کیوں بند کردیا.. بجاؤ نا..... میں سننا چاہتی ہوں....."

"اسوقت اندھیرے میں تمہارا یوں غیر لڑکوں کے ساتھ کھڑے ہوکر رباب سننا کچھ مناسب نہیں ہے۔" آدم خان نے سرد اور سپاٹ لہجے میں کہا۔ "لوگ دیکھیں گے تو تم پر انگلیاں اٹھائیں گے، جاؤ اندر جاؤ۔"

"بے رحم سنگدل محبوب، کبھی اس دل میں جھانک کر دیکھو، جس میں صرف تم بسے ہوئے ہو۔ تمہاری خاطر انگلیاں تو کیا، میں لوگوں کی تلواریں بھی سہہ سکتی ہوں۔ ایک بار میری محبت کو محسوس کرکے تو دیکھو۔ ایک بار میری محبت کا جواب محبت سے تو دے کے دیکھو۔"

شاہ بانو اپنی جگہ ساکت کھڑی من ہی من میں جانے کیا کیا سوچے جارہی تھی جبکہ آدم خان اپنے دوستوں سمیت وہاں سے چل دیا تھا۔

"آدم خان کبھی تم نے شاہ بانو کی آنکھوں میں دیکھا ہے۔" چلتے چلتے اچانک بالو خان نے اسے مخاطب کرکے سنجیدہ لہجے میں پوچھا۔ "اس کی آنکھوں میں تمہارے لئے شدید چاہت کے احساسات مچلتے دکھائی دیتے ہیں۔"

"بالکل غلط۔" میرو خان تڑپ کر بولا۔ "آدم خان کے لئے تو بستی کی ہر لڑکی کی آنکھوں میں ایسے ہی جذبات پائے جاتے ہیں مگر اس کا مطلب یہ تو نہیں وہ سب کی آنکھوں میں دیکھتا پھرے۔"

"میں سب کی نہیں، صرف شاہ بانو کی بات کررہا ہوں۔" بالو نے پلٹ کر عجیب سی نظروں سے میرو خان کی طرف دیکھا۔

"دیکھو بالو خان۔" میرو اسے سمجھانے والے انداز میں بولا۔ "ہمارا آدم کوئی معمولی لڑکا نہیں ہے، یہ اپنی بستی اور اپنے قبیلے کا ہونے والا سردار ہے۔ یہ اس علاقے کا سب سے اچھا رباب بجانے والا فنکار ہے۔ یہ بستی کا سب سے شاندار وجیہہ وشکیل نوجوان ہے۔ اس کے لئے شاہ بانو نہیں، کسی ایسی لڑکی کی چاہت درکار ہے، جو موتی کی طرح سیپ میں اور حور کی طرح بہشت میں پوشیدہ ہو، جو کردار واخلاق میں ہی نہیں، سلیقے، قرینے اور حسن ودلکشی میں بھی یکتا و بے مثل ہو۔"

"تو جناب ایسی یکتا و بے مثل لڑکی جنت میں ہو تو ہو..... مگر اس دھرتی پر اس کا ہونا ممکنات میں شامل نہیں..... پھر تو بے چارہ آدم خان اس حور شمائل اور پری وش کے انتظار میں کنوارا ہی رہ جائے گا۔"

بالو خان کی قدرے طنزیہ آواز میں کی گئی گفتگو پر آدم خان کے دلکش باریک گلابی نم ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

"نہیں، اس کیلئے جنت جانے کی ضرورت نہیں۔" میرو خان پُرزور لہجے میں گویا ہوا۔ ایک ایسی ہی حسین وجمیل، دلکش اور پاکیزہ لڑکی اسی وادیٔ سوات میں موجود ہے۔"

بالو کے ساتھ آدم خان نے بھی چونک کر میرو کی طرف دیکھا تھا۔

"اور وہ ہے..... بازدرہ پایان گاؤں کی رہنے والی دُرخانی۔" میرو خان نے ہاتھ اوپر اٹھا کر اعلان کرنے والے انداز میں کہا اور اس کے ہونٹوں سے ادا ہوتے ہی یہ نام تیر کی طرح آدم خان کے دل میں جا پیوست ہوا تھا۔

"دُرخانی۔" اس نے حیران اور بے خود سے لہجے میں نام دہرایا..... یہ اجنبی اور انجانا سا نام کس قدر مانوس، کس قدر اپنا محسوس ہورہا تھا۔ آج اس نے پہلی بار یہ نام سنا تھا مگر اسے یوں محسوس ہورہا تھا کہ جنم جنم سے یہ نام دھڑکن بن کر اس کے دل میں دھڑک رہا ہے..... لہو بن کر رگوں میں دوڑ رہا ہے اور سچائی بن کر روح میں پیوست ہوا ہے۔

"تم اسے کیسے جانتے ہو؟" بالو خان جارحانہ انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"اُدھر میری ایک پھوپی بیاہی ہوئی ہے، اسی کے بیٹے نے بتایا۔ وہاں ہر سمت اس کے نادیدہ حسن کے چرچے ہیں۔ اس کے اخلاق وکردار کے فسانے زبانِ زدِ عام ہیں۔ مجھے یقین ہے دُرخانی ہی وہ لڑکی ہے جو ہمارے دوست آدم خان جیسے جیالے اور خوبرو نوجوان کیلئے بنی ہے..... دُرخانی کے علاوہ آدم خان کا جوڑ کسی اور لڑکی کے ساتھ ہو ہی نہیں سکتا..... سچ کہتا ہوں اگر آدم خان کی شادی دُرخانی سے ہوجائے تو ان دونوں کی چاند سورج کی جوڑی ہوگی..... اپنا آدم خان جس قدر شاندار ہے دُرخانی اسی قدر ہوشربا ہے..... وہ اس قدر حسین ہے کہ آج تک وادیٔ سوات میں اس جیسی کوئی دوسری لڑکی پیدا ہی نہیں ہوئی۔"

"کیا واقعی.....؟" آدم خان نے کھوئے کھوئے سے لہجے میں سوال کیا۔

(جاری ہے)

www.pdfbooksfree.org

لازوال داستانِ عشق

آدم خان درخانی

اشتیاق فاطمہ عظمیٰ

آخری قسط

"ہاں آدم خان! تم میری بات کا یقین کرو۔" میرو خان نے حلفیہ انداز میں ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "اور پھر یہ کہ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا...... ہم چند دنوں میں اس کے ساتھ والے گاؤں میں ایک شادی میں شرکت کیلئے جانے والے ہیں بس وہیں سے بازدرہ پایاں بھی چلے جائیں گے اور تمہارا جذبہ صادق ہوا تو تم ضرور اسے ایک نظر دیکھنے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔"

ادھر آدم خان کے نئے نکور دل میں محبت کی پہلی پھوار پڑ رہی تھی۔ اسکے دل کی خشک اور پیاسی زمین سے طلب کی ایسی سوندھی مہک اٹھتی کہ وہ بے چین ہو اٹھتا۔ درخانی کا انجانا نام عجب اپنائیت کے ساتھ اس کے لبوں پر مچلتا اور اس کا اَن دیکھا چہرہ اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ اس کے دل میں ایک عجب سی ہلچل جگا تا۔ ایک بالکل نئی بے کلی نے آدم خان کے پورے وجود کو اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ نہ کسی کل چین تھا نہ کسی کروٹ نیند۔ وہ تمام رات کھلی آنکھوں سے آکاش پر چمکتے ماہِ کامل کو تکتے ہوئے سوچے جاتا۔ کیا درخانی اس چاند سے بھی بڑھ کر حسین ہوگی؟ اس کا چہرہ گلاب، اس کا سراپا بہار ہوگا؟ اسکی آنکھیں غزال...... اسکی زلفیں سنبل ہوں گی؟ پھر وہ تصور میں اس کا اَن دیکھا چہرہ لا کر اسے مخاطب کر کے کہتا۔ "درخانی! تم کہاں ہو۔ تم کیوں اس طرح میرے دل پر چھا گئی ہو کہ اب مجھے تمہارے سوا کچھ اور نظر آتا ہی نہیں۔ ہر پل تمہارا چہرہ میری نظروں کے سامنے رہتا ہے۔ یہ سب کیا ہے؟"

"یہ عشق ہے آدم خان!" اس کا دل پورے یقین سے جواب دیتا اور وہ متوحش ہو کر دل تھام لیتا۔ وہ حیرت اور بے یقینی سے سوچتا...... کیا کسی اَن دیکھی لڑکی سے بھی عشق ہو سکتا ہے۔ یہ سوال اس کی بے کلی میں مزید اضافہ کر دیتا اور اس کی مضطرب انگلیاں مضراب پر یوں مچلتیں کہ فضا میں چاہت و ہجر اور فراق میں ڈوبے ایسے نغمے پھوٹتے کہ سننے والے تڑپ تڑپ جاتے۔

ادھر پایاؤ خان، درخانی سے شادی کے خواب سجا رہا تھا۔ میر بائی کا قصیدہ سننے کے بعد اس کے دل و دماغ میں ایسی بے تابی و بے قراری نے سر اٹھایا تھا کہ اس کا بس چلتا تو وہ گھڑی کی چوتھائی میں درخانی کو اپنی دلہن بنا کر گھر لے آتا۔ جیسے تیسے رات گزری۔ صبح ہوتے ہی اس نے خانو کو بلا کر چاندی کے سکوں سے بھری ایک تھیلی دیتے ہوئے میر بائی کو پیغام بھجوایا کہ "وہ فوری طور پر درخانی کے والد طاؤس خان کے پاس جا کر نہ صرف رشتے کی بات کرے بلکہ کسی بھی طرح اسے اس رشتے پر آمادہ کرے۔ اس خدمت کے عوض اسے پایاؤ خان کی طرف سے سونے کے سکوں سے بھری تھیلی پیش کی جائے گی۔"

چاندی کے کھنکتے سکوں سے بھری تھیلی ہاتھ میں لیتے ہی میر بائی کی چھوٹی چھوٹی حریص آنکھوں کی چمک بڑھ گئی۔ اس نے بے صبری سے تھیلی دبوچتے ہوئے کہا۔ "تم خان سے کہو، سونے کے سکوں سے بھری تھیلی تیار رکھے۔ بس سمجھو رشتہ طے پا گیا۔ اب درخانی کی ڈولی پایاؤ خان کے گھر کے سوا کہیں اور نہیں جائے گی۔"

اسکے بعد میر بائی طاؤس خان کے گھر گئی۔ آج کل اس کی طبیعت کچھ نرم گرم چل رہی تھی، اس لئے اکثر دکان سے ناغہ کر کے وہ گھر پر ہی پڑا رہتا۔ آج بھی وہ اپنے حجرے میں بیٹھا جانے کن خیالوں میں کھویا ہوا تھا کہ میر بائی قہوہ کی چینک تھامے حجرے میں داخل ہوئی۔ "خان! اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟" قہوہ اس کے سامنے رکھتے ہوئے میر بائی نے اخلاص بھرے لہجے میں پوچھا۔

"اوپر والے کا کرم ہے۔" طاؤس خان نے گہرا سانس لے کر کہا۔ "درخانی کہاں ہے؟"

"وہ اپنی سکھی کیکئی کے ساتھ باتوں میں لگی ہے۔ مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی تھی۔ سوچا اگر آپ کا جی اچھا ہو تو میں......"

"ہاں ہاں بولو میر بائی۔ کیا بات ہے؟" طاؤس خان نے جلدی سے کہا۔ "اگر تمہیں کچھ پیسوں کی ضرورت ہے تو......"

"نہیں خان۔" میر بائی اس کی بات کاٹتے ہوئے نرم لہجے میں بولی۔ "یہ بات نہیں ہے۔ دراصل اس دن آپ نے استاد محترم کے سامنے کہا تھا کہ آپ جلد از جلد درخانی کے ہاتھ پیلے کر دینا چاہتے ہیں۔" میر بائی نے نگاہیں جھکا کر تمہید کا آغاز کیا۔ "اور آپ جانتے ہیں درخانی مجھے اپنی بیٹی کی طرح عزیز ہے۔ میں نے بچپن سے اب تک اسے ماں بن کر پالا ہے اور ایک چاہنے والی ماں کی طرح میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ درخانی کسی اچھے گھر میں جائے تا کہ اسکی زندگی سکون اور اطمینان سے بسر ہو سکے۔"

"سب ماں باپ ایسا ہی چاہتے ہیں۔" طاؤس خان اداس لہجے میں بولا۔ "مگر، بیٹیوں کے نصیب سے کون لڑ سکتا ہے؟"

"جہاں تک نصیب کی بات ہے تو مجھے یقین ہے درخانی بیٹی بڑے نصیب والی ہے۔ جب ہی خدا نے اس کے لئے اتنے بڑے رئیس کا رشتہ بھیجا ہے۔"

"رشتہ؟" طاؤس خان چونکا۔ "کیا درخانی کے لئے کوئی رشتہ آیا ہے؟"

"میں نے کوشش کر کے ایک اچھے گھر میں اس کے لئے بات چلائی ہے۔ آپ کی مرضی اور اجازت ہوگی تو رشتہ بھی آ جائے گا۔"

"لڑکا کون ہے؟ کیا کرتا ہے؟ کہاں رہتا ہے؟" طاؤس خان نے بے قراری سے ایک ساتھ کئی سوال کر دیئے۔

"اپنے گاؤں کا سب سے بڑا رئیس پایاؤ خان، ہماری درخانی سے شادی کرنے کا خواہش مند ہے۔ وہ ایک خوبرو نوجوان ہے اور اس کا تعلق اعلیٰ شریف گھرانے سے ہے۔"

"کیا واقعی؟" طاؤس خان نے حیرت بھری مسرت سے بولا۔ "رئیس پایاؤ خان ہماری درخانی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ وہ تو بہت اچھا انسان ہے۔ اتنی دولت ہونے کے باوجود وہ ایک خوش خلق، مہمان نواز اور غریبوں سے ہمدردی رکھنے والا انسان ہے۔ کبھی اس کے بارے میں کوئی غلط بات نہیں سنی۔ سب ہی اس کے تعریف کرتے ہیں۔ میر بائی تم آج ہی اس کے گھر جاؤ اور میری طرف سے ہاں کہہ دو۔ اتنے اچھے رشتے کے جواب میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔"

"درست فرما رہے ہیں خان۔" میر بائی نے سر ہلاتے ہوئے پرجوش انداز میں جواب دیا اور فوری طور پر پایاؤ خان کو خوش خبری سنانے چل دی۔ اسے اپنی سونے کے سکوں سے بھری تھیلی وصول کرنے کی بھی جلدی تھی۔

طاؤس خان کی طرف سے مثبت جواب نے پایاؤ خان کا دل پھول کی طرح کھلا دیا۔ اسی شام اس نے پھل، خشک میوہ جات، چاندی اور سونے کے زیورات اور ریشم و کمخواب کے تھانوں کے ساتھ با قاعدہ رشتہ بھجوا دیا۔ پوری بستی میں دھوم مچ گئی تھی۔ کوئی پایاؤ خان کے مقدر پر رشک کر رہا تھا تو کوئی درخانی کی قسمت سے حسد کر رہا تھا۔

"درخانی! تجی تو بڑی ہی قسمت والی نکلی۔" کیکئی اسے بھینچ کر پیار کرتے ہوئے مسرور لہجے میں بولی۔ "پوری بستی کی لڑکیاں تیرے مقدر پر رشک کر رہی تھیں۔"

درخانی نے گھنی ریشمی پلکوں سے سجی اپنی نیلگوں آنکھیں اٹھا کر اداسی سے کیکئی کی طرف دیکھا۔ "پتہ نہیں کیکئی...... میرے دل میں کوئی احساس، کوئی خوشی کیوں نہیں ہے...... بلکہ جب سے یہ رشتہ طے ہوا ہے ایک عجب سی الجھن اور پریشانی میرے دل کو گھیرے ہوئے ہے۔ ایسا کیوں ہے میں نہیں جانتی...... مگر ایسا ہے ضرور کہ میرے دل کو شادی کے نام اور اس رشتے کے توسط سے جو خوشی ملنی چاہیے تھی وہ اس سے محروم ہے...... کچھ بجھا سا ہے۔"

"اس کی وجہ تو جانتی ہے کہ شادی کے بعد اپنے بابا کا گھر چھوڑ کر خان کے اس اونچے اور شاندار گھر میں جائے گی۔ اپنے بابا سے الگ ہو جانے کا احساس ایک دکھ بن کر تیری ہر خوشی پر حاوی ہو گیا ہے۔ پگلی تو اسی بستی میں رہے گی۔ دو جے تیرے ہونے والے شوہر کے پاس ایک نہیں کئی بگھیاں اور رتھ ہیں۔ جب دل چاہے اپنے بابا سے ملنے چلی آنا۔ سنا ہے وہ بہت ہی اچھا اور مہربان انسان ہے۔ وہ تمہارے لئے کسی طرح کی روک ٹوک نہیں رکھے گا۔"

درخانی نے مزید کچھ نہیں کہا۔ بس سر جھکا کر خاموش ہو گئی۔ اسے یوں خاموش اور اداس دیکھ کر کیکئی بولی۔ "درخانی...... ساتھ والے گاؤں میں میری جو خالہ رہتی ہے نا...... دو دن بعد اس کے بیٹے کی شادی ہے۔ بڑی دھوم دھام سے شادی ہو رہی ہے۔ ماں چاہتی ہے تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔ بڑا ہلا گلا رہے گا۔ رات کو رباب و سرود کی محفل بھی سجے گی۔ سنا ہے بازدرہ بالا سے رباب کے ماہر آدم خان کو بھی بلوایا گیا ہے۔"

"آدم خان!" درخانی نے حیرت سے یہ نام دہرایا۔ اسے اپنے سینے میں عجب سی ہلچل جاگتی محسوس ہوئی۔ یہ نام اس نے آج پہلی بار سنا تھا۔ مگر کس قدر انس اور اپنا پن تھا۔ اس نام میں کہ اسے اجنبیت کا احساس تک نہ ہوا تھا۔ کس قدر شیرینی تھی اس نام میں کہ اسے اپنے رگ و پے میں ایک عجب سی مٹھاس گھلتی محسوس ہوئی تھی۔

"ہاں، آدم خان۔" کیکئی اس کے احساسات سے بے خبر اپنی دھن میں بولے جا رہی تھی۔ "سنا ہے اس غضب کا گاتا ہے کہ اس کی آواز سن کر پرندے بھی اپنی پرواز بھول جاتے ہیں۔"

درخانی ایک پردہ نشین لڑکی تھی۔ گھر سے کبھی کبھار ہی نکلتی تھی۔ شادی بیاہ اور دیگر تقریبات میں بھی وہ شاذ و نادر ہی جاتی تھی۔ مگر کیکئی کی اس دعوت میں جانے ایسی کیا بات تھی کہ اس کا دل فوری طور پر اس کے ساتھ جانے کے لئے آمادہ ہو گیا۔

"کیکئی اگر بابا اجازت دے دیں تو مجھے تمہارے ساتھ جانے میں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

"او میری بہن...... میری پیاری سہیلی۔" کیکئی مارے خوشی کے اس سے لپٹ گئی۔

طاؤس خان نے خوشی خوشی اجازت دے دی تھی اور اگلے دن درخانی کیکئی اور اس کی ماں کے ساتھ، ساتھ والے گاؤں کے لئے روانہ ہو گئی۔ کیکئی کی خالہ خاصی مال دار عورت تھی۔ اس نے بیٹے کی شادی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھنے کا فیصلہ کیا تھا۔ پچھلے صحن میں چولہوں پر بڑے بڑے دیگوں میں کھانے پک رہے تھے۔ سامنے والے کشادہ دالان میں گاؤں کی عورتیں ڈھول لیے، گانے بجانے میں مصروف تھیں اور ساتھ والے حجرے میں دلہن سر جھکائے بیٹھی تھی۔ درخانی جوں ہی دالان میں داخل ہوئی، تمام ہی عورتیں اس کا حسین چہرہ حیرت سے تکنے لگی تھیں...... وہ پریشان ہو کر دلہن کے حجرے میں جا کر بیٹھ گئی تھی۔

رات کو کھانے کے بعد چنگ و رباب کی محفل جمی۔ کچھ مقامی لڑکے گاتے بجاتے رہے، پھر آدم خان کو دعوت دی گئی کہ وہ اپنی مدھر آواز کا جادو جگانے اور اپنے رباب کی مدھ بھری موسیقی سے لوگوں کو دنگ کر دے۔ آدم خان اپنے دونوں دوستوں میرو اور بالو خان کے ساتھ سہ پہر کو ہی تقریب میں پہنچ گیا تھا۔ اس گاؤں میں آنے سے زیادہ اسے درخانی کے گاؤں جانے کی بے قراری تھی۔ وہ جلد از جلد اس کے گاؤں جا کر کسی بھی طرح اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کی گوہر مقصود درخانی...... اس صحن سے چند قدموں کے فاصلے پر ایک حجرے میں موجود ہے۔ آدم خان نے کچھ دیر مردوں کی اوطاق میں سرود کی محفل سجائی، پھر خواتین کی فرمائش پر اسے خواتین کے لئے مخصوص وسیع دالان میں بلوا لیا گیا...... تمام ہی خواتین اور نوجوان لڑکیاں اس وجیہہ و شکیل اور شاندار نوجوان کو دیکھ کر دنگ رہ گئی تھیں۔

رات کی خاموشی میں جب آدم خان کی انگلیوں نے رباب کے تاروں کو چھوا تو ہر طرف سوز و گداز کی لہر سی دوڑ گئی۔ سننے والے دنیا مافیہا سے بے خبر ہو گئے۔ کائنات کی ہر چیز آدم خان کی پُرسوز اور مدھر آواز کی لے پر تھرکتی محسوس ہو رہی تھی۔ سارا جہاں رقص میں تھا۔ ہر سمت ایک بے خودی و مدہوشی چھائی ہوئی تھی۔

درخانی اس دالان سے چند قدم کے فاصلے پر دلہن کے حجرے میں موجود تھی۔ آدم خان کے رباب کے تاروں کی جھنکار اس کے دل کے تاروں کو جھنجھنا گئی تھی۔ آدم خان کی پُرسوز اور دل گداز آواز نے اس پر جادو کا سا اثر کیا تھا...... اور وہ بے خودی کے عالم میں حجرے سے نکل کر دالان میں چلی آئی تھی...... اور خواب کی سی کیفیت میں چلتی...... عین آدم خان کے سامنے جا کر ٹھہری تھی۔

اس پر نگاہ پڑتے ہی رباب پر مچلتی انگلیاں ساکت ہو گئی تھیں اور گیت گاتے لب یوں چپ ہو گئے جیسے بولنا ہی نہ جانتے ہوں۔ لحظہ بھر کو ان دونوں کی نظریں ٹکرائی تھیں...... اور نظروں کے اس تصادم نے دونوں ہی کے وجود میں ایک عجب سی سنسناہٹ جگا دی تھی۔

دونوں حیرت و بے خودی کی تصویر بنے ایک دوسرے کو تکے جا رہے تھے۔

"آدم خان۔" درخانی نے زیر لب اس کا نام لیا اور آدم خان کے دل نے پوری سچائی سے یہ جان لیا کہ اس کے سامنے موجود حسن و نزاکت کی یہ دیوی...... درخانی کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتی۔

"درخانی...... یہ تم ہو نا؟" اس نے سرگوشی کی۔

"تم میرا نام کیسے جانتے ہو؟" درخانی حیران ہوئی۔ "ہم آج پہلی بار ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہیں۔"

"ہاں۔ میں نے تمہیں آج پہلی بار دیکھا ہے مگر میرا دل ایک عرصے سے تمہیں جانتا ہے۔ تم سے مانوس ہے...... تمہارا دیوانہ ہے...... تم بن اس دل کو پل بھر کو بھی قرار نہیں۔"

محفل پر سکوت طاری تھا۔ عورتیں حیرت و بے یقینی کی تصویر بنی ان دونوں کو تکے جا رہی تھیں۔ مگر ان کو اپنے آس پاس کا کوئی احساس نہ تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے میں یوں کھوئے ہوئے تھے...... جیسے ان کے سوا کوئی اور یہاں موجود نہ ہو۔

وہ ایک دوسرے کے لئے اجنبی اور انجانے تھے۔ مگر انہیں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ برس ہا برس سے ایک دوسرے کو جانتے ہوں۔ جنم جنم سے ایک دوسرے کے شناسا ہوں۔ ان کے دل ایک ساتھ دھڑک رہے تھے اور نگاہیں ایک دوسرے کے چہرے سے ہٹنے کو تیار نہ تھیں۔

"درخانی......" کیکئی نے اسے ٹہوکا دیتے ہوئے سرگوشی میں کہا۔ "ہوش میں آؤ...... سب عورتیں دیکھ رہی ہیں۔"

"آدم خان۔" میرو نے اسے شانے سے تھام کر ہلاتے ہوئے تیز لہجے میں کہا۔ "کیا ہو گیا ہے تمہیں...... تم تو کسی لڑکی کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنے کے بھی روادار نہ تھے اور اس وقت اس طرح گھور رہے ہو کہ سب ہی حیران ہو رہے ہیں۔"

"میرو! تم جانتے ہو۔ یہ کوئی عام لڑکی نہیں ہے۔ یہ درخانی ہے، جو شاید صدیوں سے میرے دل میں میری دھڑکنوں میں بسی ہوئی ہے۔"

"درخانی۔" میرو اور بالو خان نے حیرت سے درخانی کی جانب دیکھا۔ پوری محفل میں وہ سب سے الگ تھی، سب سے حسین اور طرحدار تھی۔

"چلو اندر چلو...... بلاوجہ افسانہ بنے گا۔" کیکئی، درخانی کا ہاتھ تھام کر دلہن کے حجرے کی طرف لے جاتی ہوئی بولی۔ "سب جانتے ہیں تم ایک پردہ نشین شریف لڑکی ہو، تمہاری یہ حرکت لوگوں کے لئے انگلی اٹھانے کا باعث بن جائے گی...... ویسے بھی تمہارا رشتہ طے ہو چکا ہے اور تمہارا ہونے والا شوہر ایک باعزت اور معزز شخص ہے۔"

درخانی، کیکئی کے ساتھ حجرے میں چلی تو گئی، مگر اس کا دل اور آنکھیں وہیں دالان میں آدم خان کے پاس رہ گئی تھیں۔

درخانی کے جاتے ہی محفل میں اندھیرا چھا گیا۔ چراغوں کی روشنی معدوم پڑ گئی۔ آدم خان کی آنکھیں اور دھڑکنیں درخانی کے قدموں سے لپٹ کر اس کے ساتھ ہی چلی گئی تھیں۔ پھر اس سے رباب بجایا گیا اور نہ ہی گایا گیا۔ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ واپسی کے لئے پلٹ گیا۔

پہلے میرو خان اور بالو خان کا خیال تھا کہ آدم خان ایک بار درخانی کو دیکھ لے گا تو اس کی تڑپ اور بے چینی میں کمی آ جائے گی۔ انہوں نے کب سوچا تھا کہ درخانی کو ایک نظر دیکھنے کے بعد آدم خان کی تڑپ اور دیوانگی میں پہلے سے ہزار گنا زیادہ اضافہ ہو جائے گا۔ پہلے اس کے ذہن میں ایک تصوراتی پیکر سا رہتا تھا...... وہ اکثر بے تاب ہو کر سوچتا تھا۔ درخانی کیسی ہوگی؟ اور اب جبکہ اس نے درخانی کو دیکھ لیا تھا اور اس کی حسین آنکھوں میں اپنا عکس اور اپنی محبت بھی اسے دکھائی دے گئی تھی تو اب اس کی تڑپ اور دیوانگی کا انداز الگ ہو گیا تھا۔

اب اسے دن کو قرار تھا نہ راتوں کو چین، وہ ہر دم اپنے رباب سے اپنی محبوبہ کی باتیں کیے جاتا۔ اس کی آواز میں اب ایسا درد اور سوز سمٹ آیا تھا کہ جب وہ گاتا، سننے والوں کو اپنا کلیجہ کٹتا ہوا محسوس ہوتا۔ اس کا کھانا پینا چھوٹ گیا۔ وہ رات دن پاگلوں کی طرح اپنے حجرے میں پڑا در و دیوار سے باتیں کیے جاتا۔ درخانی کا تصور کبھی مسکراہٹ بن کر اس کے چہرے پر بکھر جاتا تو کبھی اس سے جدائی کا غم اشک بن کر اس کی حسین آنکھوں کو بھگو جاتا۔

اسی کیفیت میں کئی ماہ بیت گئے۔ رفتہ رفتہ وہ کمزور ہو کر ہڈیوں کا ڈھانچہ بن گیا۔ اس کی حالت دیکھ کر اس کے ماں باپ ہی نہیں دوست احباب بھی حیران و پریشان تھے۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر اس کے مرضِ لاعلاج کا کیا علاج ہو؟

"آپ آدم خان کی حالت دیکھ رہے ہیں؟" اس کی ماں زریاب گل نے ڈبڈباتی ہوئی آنکھوں سے اپنے شوہر حسن خان کی طرف دیکھتے ہوئے پُرتشویش لہجے میں کہا۔ "آخر اس کے لئے کچھ کرتے کیوں نہیں۔ اس طرح کب تک چلے گا۔ مجھے تو اب اسکی زندگی کی فکر ہو گئی ہے...... آپ دیکھ رہے ہیں، ہمارا کڑیل جوان بیٹا دیکھتے ہی دیکھتے چارپائی سے لگ گیا ہے۔"

"ہاں میں خود اس کی حالت دیکھ کر متوحش ہوں۔" حسن خان نے متفکر لہجے میں جواب دیا۔ "مگر سوال یہ کہ اس کیلئے کریں تو کیا؟ قرب و جوار کے تمام اطباء و حکماء کو دکھا لیا...... پر مرض بڑھتا رہا جوں جوں دوا کی۔ اب تم کہو کیا کیا جائے؟"

"تم اس لڑکی کے باپ سے جا کر کیوں نہیں ملتے۔ ہمارے بیٹے میں کس بات کی کمی ہے۔ مجھے یقین ہے وہ درخانی کا رشتہ ہمیں دینے سے انکار نہیں کریں گے۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو۔ میں کل ہی درخانی کے گاؤں جا کر اس کے باپ سے بات کرتا ہوں۔"

اگلے دن حسن خان، میرو اور بالو کو ساتھ لے کر درخانی کے گاؤں کی طرف روانہ ہو گیا۔

طاؤس خان حسب عادت نووارد مہمانوں سے مل کر بہت خوش ہوا تھا اور ان کی خاطر مدارات میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔

"خان۔ ہم آپ کے پاس ایک التجا، ایک سوال لے کر آئے ہیں۔" گرم گرم قہوے کی پیالی تھامتے ہوئے حسن خان نے نگاہ جھکا کر دھیمی آواز میں کہا۔ "ہم آپ سے آپ کی پیاری بیٹی کے رشتے کا سوال لے کر آئے ہیں...... میرا بیٹا آدم خان، ہر لحاظ سے درخانی کے قابل ہے۔ آپ یقیناً اس سے مل کر خوش ہوں گے اور اگر آپ کی کچھ شرائط ہوں تو ہم آپ کی ہر شرط ماننے کو تیار ہیں۔ بس آپ یہ رشتہ قبول کر لیں۔ آپ کا ہم پر بڑا احسان ہوگا۔"

"احسان کی کیا بات ہے، خان۔" طاؤس خان مشکور لہجے میں بولا۔ "آپ اپنے قبیلے کے سردار ہیں۔ ایک اچھے اور مہربان انسان ہیں۔ میں آپ کے سوال کو رد کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ مگر افسوس آپ نے آنے میں کچھ تاخیر کر دی۔ میں اپنی بیٹی کا رشتہ اسی گاؤں کے ایک شریف انسان پایاؤ خان سے طے کر چکا ہوں۔ چند مہینوں بعد اس کی رخصتی کا ارادہ ہے۔"

"اوہ!" حسن خان نے بے بس نظروں سے آدم خان کے دوستوں کی طرف دیکھا اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ "اب اجازت چاہیں گے۔ ہمیں رشتے کے طے ہو جانے کا علم ہوتا تو آپ کو ہرگز زحمت نہ دیتے۔"

حسن خان مایوس اور بے نیل و مرام واپس لوٹ آیا۔ جاتے وقت میرو اور بالو، آدم خان کو خوش خبری دے کر گئے تھے کہ وہ اس کے باپ کے ساتھ درخانی کا رشتہ مانگنے جا رہے ہیں۔ آدم خان کی مایوس بے نور آنکھوں میں لمحہ بھر کو امید روشنی بن کر جھلملائی تھی اور اداس چہرے پر آس کی پرچھائیاں پھیل گئی تھیں۔

وہ بڑی بے تابی و بے قراری سے ان کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔ جب اس نے اپنے باپ اور دوستوں کو سر جھکائے اور تھکے تھکے قدموں سے واپس آتے دیکھا تو اسے اپنا دل مایوسی کے بوجھ تلے بیٹھتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ بے تابی سے بالو خان اور میرو خان کی جانب لپکا۔

"میرے دوستو! کچھ تو کہو...... تم میری زندگی کی خوشیاں خریدنے گئے تھے۔ اتنے مایوس اور اداس کیوں لوٹے ہو...... کیا اس کے باپ نے انکار کر دیا۔"

"نہیں۔ اس کا باپ تو شاید خوشی خوشی سے یہ رشتہ قبول کر لیتا۔ اگر پہلے ہی اس کی بات نہ طے ہو چکی ہوتی۔"

میرو کی دھیمی آواز کسی خنجر کی طرح آدم خان کے دل میں پیوست ہوتی محسوس ہوئی۔ وہ تڑپ کر بولا۔ "کیا کہا تم نے...... کیا درخانی کا رشتہ کسی اور کے ساتھ طے ہو چکا ہے؟"

"ہاں۔ اس کے گاؤں کے ایک رئیس پایاؤ خان سے اس کی منگنی ہو چکی ہے...... اور کچھ ہی عرصے میں شادی ہونے والی ہے۔"

"ایسا نہیں ہو سکتا۔ درخانی...... صرف اور صرف میری ہے...... اسے مجھ سے کوئی چھین نہیں سکتا۔" آدم خان تڑپتی آواز میں بولا۔ "میں اسے کھو کر زندہ نہیں رہ سکتا...... وہ صرف میری ہے۔ میں نے اس کی آنکھوں میں اپنی چاہت کا رنگ دیکھا ہے...... اس کی دھڑکنوں میں اپنا نام سنا ہے...... وہ بھی میرے بغیر نہ رہ سکے گی۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے لئے بنے ہیں۔ ایک دوسرے کے بنا ہم زندہ نہیں رہ سکتے...... ہم جدا ہو کر جان سے گزر جائیں گے۔"

میرو اور بالو خان بے بس نظروں سے کبھی ایک دوسرے کو تکتے، کبھی ان کی افسردہ نگاہیں آدم خان پر جا ٹھہرتیں۔ وہ خوبرو کڑیل جوان عشق کی آگ میں سلگ کر سوختہ جان ہو گیا تھا۔ اس کا سرخ و سفید چہرہ مرجھا گیا تھا۔ روشن دمکتی آنکھیں بجھ گئی تھیں۔ اس کے لب طربیہ گیت گانے بھول چکے تھے اور اس کے رباب سے اب جو بھی دھن نکلتی وہ محبوب سے جدائی، ہجر و فراق کے درد میں ڈوبی ہوئی تھی...... لوگوں کی آنکھیں اس کے المیہ گیت سن کر بھیگ جاتیں اور اس کا درد اس کے ماں باپ کا کلیجہ کاٹنے لگتا۔ ان کا بس نہ چلتا تھا کہ وہ اپنے اکلوتے منتوں مرادوں والے چہیتے بیٹے کی خوشیوں کی خاطر کیا کریں، کیا نہ کریں......؟

"میں سوچتا ہوں آدم خان کی اگر شادی کر دی جائے تو اس کی حالت سدھر سکتی ہے۔" ایک شام حسن خان نے زریاب گل سے کہا۔ "ہمارے قبیلے میں کئی خوبصورت و خوب سیرت لڑکیاں موجود ہیں۔ تم آدم خان سے بات کرو۔ وہ جس کا نام لے گا ہم اسے اس کی دلہن بنا کر گھر لے آئیں گے۔"

"نہیں ماں۔" ماں کی بات سن کر آدم خان نے دوٹوک لہجے میں جواب دیا۔ "آدم خان کے دل میں، زندگی میں اور گھر میں صرف اور صرف درخانی ہی آ سکتی ہے۔ اس کے سوا کسی اور سے میں شادی کا تصور بھی نہیں کر سکتا......"

آدم خان کی بے قراری اور دیوانگی حد سے بڑھی تو ایک شام وہ شدت اضطراب اور فرط جذبات سے مجبور ہو کر درخانی کے گاؤں کی طرف روانہ ہو گیا۔ میرو اور بالو بھی اس کے پیچھے چلے۔

"آدم خان...... کیا کرتے ہو؟ وہ ایک پردہ نشین اور شریف زادی ہے۔ اس طرح تو وہ بدنام ہو جائے گی۔"

"میں اس سے صرف ایک بار ملنا چاہتا ہوں۔" آدم خان نے بیقرار لہجے میں کہا۔ "اس سے ملے بغیر اس بے چین دل کو قرار نہ آئے گا۔"

میرو اور بالو اس کی تڑپ اور بے کلی دیکھتے ہوئے خاموش ہو گئے تھے۔ درخانی کے گاؤں پہنچ کر میرو اور بالو نے کسی طرح کیکئی سے رابطہ کیا اور آدم خان کی دیوانگی کا حال اس کے گوش گزار کر کے اس سے التجا کی کہ ایک بار آدم خان کو درخانی سے ملنے کا موقع فراہم کر دے۔

درخانی جب سے شادی کی تقریب میں آدم خان سے مل کر واپس پلٹی تھی۔ اس کی حالت بھی کچھ زیادہ بہتر نہ تھی۔ حالانکہ اس کی آدم خان سے کوئی بات ہوئی تھی نہ کوئی عہد و پیمان ہوئے تھے۔ اس کے باوجود لگتا تھا وہ اپنا سب کچھ ہار آئی ہے۔ اب وہ خالی دامن و خالی ہاتھ رہ گئی۔ اس کے سینے میں دل تھا نہ تن ناتواں میں روح...... وہ اپنا سب کچھ اس انجان اجنبی آدم خان کے حوالے کر آئی تھی۔ وہ ایک شریف اور پاک دامن لڑکی تھی، اس لئے زبان سے کچھ نہیں کہتی تھی مگر اس کی بھیگی پلکیں اس کے دل کی تڑپ اور بے چینی کی غماز تھیں۔

"ٹھیک ہے۔" کیکئی نے حامی بھرتے ہوئے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔ "تم آدم خان سے کہو۔ وہ گرم پانی کے چشمے کی پچھلی جانب زرد ٹیلوں کے پاس انتظار کرے۔ میں آج رات کسی طرح درخانی کو لے کر وہاں پہنچ جاؤں گی......"

www.pdfbooksfree.org

☆......☆......☆

وہ رات اپنے اندر عجب رعنائی و دلکشی لئے ہوئے تھی۔

نیلے آسمان پر روپہلے تارے یوں جگمگا رہے تھے جیسے کسی طشت میں ڈھیروں موگرے کے پھول بھرے ہوں اور ان سفید پھولوں کے بیچ چاند کا سنہری کنول، آکاش کی نیلگوں جھیل میں ہلکورے لے رہا ہو۔ گنگناتے چشمے کے اس پار زرد ٹیلوں کے ساتھ سطح زمین پر چاندنی بچھی ہوئی تھی۔ ہواؤں کے نرم جھونکوں میں شفتالوں کے نوشگفتہ غنچوں کی مہک رچی تھی۔ ایسے میں آدم خان اور درخانی ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے تھے۔ درخانی کے ساتھ ماہ تمثال چہرے کے سامنے ماہ کامل کا روپ ماند تھا۔ آدم خان کی پیاسی آنکھیں، محبوب کے چہرے سے رس کے جام بھر بھر کے پی رہی تھیں۔ فضا میں تنے سکوت کو ان دونوں کی بے تاب دھڑکنیں منتشر کر رہی تھیں۔

"درخانی۔" خاموشی کے طویل وقفے کے بعد آدم خان کی بے تاب آواز ابھری۔ "میں سمجھا تھا تمہیں ایک نظر دیکھنے کے بعد میرے بے چین دل کو قرار آ جائے گا۔ مگر تم سے گھڑی بھر کو ملنے کے بعد اس دل کی تو دنیا ہی بدل گئی۔ یہ ہر لمحہ ہر پل بس تم ہی کو دیکھنا چاہتا ہے۔ تمہارے بنا جینا تو دور کی بات اب تو میرے لئے مرنا بھی ناممکن ہے۔"

"ہاں آدم خان۔" درخانی کی سرگوشی ابھری۔ "تمہاری درخانی کا بھی کچھ ایسا ہی حال ہے۔ اب تمہارے بنا زندہ رہنا مشکل لگنے لگا ہے۔ تم نہ ملے تو تمہاری یہ درخانی...... قبر کی گہرائیوں میں اتر جائے گی......"

"درخانی۔" آدم خان نے جذباتی انداز میں درخانی کا نرم و نازک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔ "تمہارا یہ دیوانہ آدم خان، دنیا میں تو کیا قبر میں بھی اکیلا نہ رہے گا۔ دنیا والے بے شک کسی جگہ مجھے دفن کر دیں، مگر میرا مردہ جسم تمہاری قبر میں ہی پایا جائے گا......"

"خدا نہ کرے کہ تمہیں موت آئے آدم خان۔" درخانی نے اپنا نرم و نازک ہاتھ اس کے منہ پر رکھتے ہوئے کہا۔ "زندگی نے ہمیں جو یہ چند لمحوں کی مہلت دی ہے تو اسے موت کی باتوں میں کیوں ضائع کریں۔ آؤ یہ چند لمحے محبت کے یقین کے ساتھ ایک دوسرے کے سینے سے لگ کر ایک دوسرے کی دھڑکنوں میں اتر کر امر کر لیں پھر جانے وقت اجازت دے نہ دے۔"

"آؤ میری جان، میری روح، میری درخانی۔" آدم خان نے آگے بڑھ کر اپنے بازو وا کیے اور درخانی اس کے سینے میں سما گئی۔ وقت کے متحرک قدم ساکت ہو گئے تھے۔ چاند تاروں کی گردش تھم گئی تھی۔ ہوا شفتالو کے پیڑوں کے پیچھے دب کر رک گئی تھی۔

صرف دو دل دھڑک رہے تھے۔ دو روحیں باہم ہم کلام تھیں۔ دو وجود محبت کی سلگتی آگ میں جل رہے تھے۔ جانے اسی عالم میں کتنا وقت بیت گیا۔ شاید صدیاں گزر گئی تھیں، تب ہی کیکئی کی متوحش آواز گونجی۔ "درخانی! بہت دیر ہو گئی، اب واپس چلو۔"

"آدم خان۔" میرو خان کی آواز بھی سنائی دی۔ "بس اب واپس چلنے کا وقت ہو گیا ہے۔"

"وہ دونوں ایک دوسرے کو الوداعی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے ایک دوسرے سے دور ہو گئے تھے۔ آدم خان، میرو اور بالو خان کے ساتھ اپنے گاؤں لوٹ گیا اور درخانی، کیکئی کا ہاتھ تھامے اپنے گھر لوٹ کر آ گئی تھی۔ اس ملاقات نے درخانی پر محبت کے نئے باب کھول دیئے تھے۔ دل کی کسک نے تڑپ کا نیا روپ اپنا لیا تھا۔ بے چینی و بے کلی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا تھا۔ ایک عجب سی تپش تھی جو دل سے اٹھ کر پورے وجود کو اپنے لپیٹ میں لے لیتی۔ ایک عجب سی بے قراری تھی جو کسی کروٹ قرار نہیں لینے دیتی تھی۔ اس کی راتوں کی نیندیں اور دن کا قرار جاتا رہا تھا......

وہ پورے گھر میں کسی بدروح کی طرح بولائی بولائی پھرا کرتی تھی۔ کبھی آہ بھرتی کبھی چھپ چھپ کر آنسو بہاتی۔ محبوب کی جدائی نے اس کے دل کے ساتھ صحت پر بھی اثر ڈالا تھا اور وہ بیمار پڑ گئی تھی۔

"درخانی تجھے کیا پریشانی ہے؟" اس کا بوڑھا باپ بے تابانہ اس سے سوال کرتا اور وہ آنچل میں منہ چھپا کر سسکیاں لینے لگتی۔ طاؤس خان نے اس کے علاج معالجے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ وہی تو اس کی کل کائنات تھی۔ مگر کوئی حکیم کوئی طبیب اس کے مرض کا پتہ نہ لگا سکا۔ لیکن درخانی کے بوڑھے اور جہاندیدہ استاد صبغت اللہ خان نے اس کے مرضِ عشق کو محسوس کر لیا تھا۔

"درخانی! کیا تم اپنے اس بوڑھے استاد کو بھی اپنے غم میں شریک نہ کرو گی؟"

"کیسا غم استاد محترم؟" درخانی نے خوفزدہ لہجے میں سوال کیا۔

"محبوب کی جدائی اور فرقت کا غم۔" صبغت اللہ خان نے دھیمی آواز میں کہا۔ "کیا میں اس خوش نصیب کا نام جان سکتا ہوں، جس نے تمہارا دل چرا کر تمہیں یوں بیمار اور بے قرار ہونے پر مجبور کر دیا ہے۔"

درخانی نے اپنی دراز ریشمی پلکوں کی چلمن اٹھا کر ذہین اور زیرک استاد کی طرف دیکھا، پھر پلکوں کی دبیز جھالر سے آنکھوں کو ڈھانپ لیا۔ شرم و حیا نے زبان پر تالے ڈال دیئے تھے۔

"میری بچی، عشق ایک فطری جذبہ ہے۔ اس پر انسان کا اختیار نہیں۔ محبت کی نہیں جاتی ہو جاتی ہے...... یہ وہ آگ ہے جو لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بجھے...... تم مجھ سے کہتے ہوئے مت شرماؤ۔ شاید میں تمہارے درد کا کچھ درماں کر سکوں۔"

اور درخانی نے رکتے جھجکتے، آہیں بھرتے، سسکیاں لیتے، اپنی اور آدم خان کی ادھوری داستان عشق استاد محترم کے گوش گزار کر دی۔

"میں کوشش کروں گا کہ آدم خان تک تمہارا حال دل پہنچا سکوں۔"

"استاد محترم یہ میری انگوٹھی آپ اسے دے دیجئے گا۔" درخانی نے اپنی انگلی سے چاندی کی انگوٹھی اتار کر صبغت اللہ کے طرف بڑھاتے ہوئے بے تاب لہجے میں کہا۔ "اور اس سے اس کی انگوٹھی لے آیئے گا۔ اس کی اس نشانی کو سینے سے لگا کر شاید مجھے کچھ سکون ملے۔"

"ٹھیک ہے۔" صبغت اللہ نے درخانی کی انگوٹھی تھام لی۔ "میں کل ہی اس کے گاؤں جانے کی کوشش کروں گا۔ مجھے یقین ہے میں تم دونوں کو ملانے کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور کر سکوں گا۔"

دروازے کے باہر کھڑی میر بائی ان دونوں کی گفتگو سن کر پوری جان سے لرز اٹھی تھی۔ اس نے کب سوچا تھا کہ سات پردوں میں چھپ کر زندگی گزارنے والی درخانی، آدم خان جیسے رباب بجانے اور گانے والے کے عشق میں اس طرح ڈوب جائے گی اور ایسی صورت میں اگر درخانی اور پایاؤ خان کا رشتہ ٹوٹتا تو اس کا کس قدر نقصان ہوتا۔ وہ اس شادی کے صلے میں پایاؤ خان سے بہت کچھ انعام و اکرام کی آس لگائے بیٹھی تھی۔ خدانخواستہ یہ رشتہ ٹوٹتا تو شاید اسے پہلے وصول کیے گئے روپے بھی واپس کرنے پڑتے...... اس تصور سے ہی اسے پسینے آ گئے تھے۔ اگلے ہی دن وہ ہانپتی کانپتی پایاؤ خان کے گھر پہنچی۔

"خان آپ پہلے تو رشتہ طے کرنے کے لئے اتنے بے چین تھے اور اب رشتہ طے ہو جانے کے بعد شادی کی کوئی فکر ہی نہیں ہے۔"

"ارے نہیں میر بائی۔ درخانی کے والد نے خود ہی شوال کی بات کی تھی۔ میرا بس چلتا تو میں تو اسے اسی ماہ بیاہ کر لے آتا۔"

"آپ کو اب ایسا ہی کرنا ہوگا۔" میر بائی نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "آپ کے فراق میں درخانی بیمار پڑ گئی۔ دن میں کتنی بار پوچھتی ہے۔ آخر پایاؤ خان برات کب لے کر آئیں گے؟"

"کیا واقعی؟" پایاؤ خان حیرت بھری مسرت سے اچھل پڑا۔ "اگر ایسا ہے تو میر بائی میں ابھی اور اسی وقت برات لے جانے کو تیار ہوں۔"

"اب ایسی بھی جلد بازی کی ضرورت نہیں ہے۔" میر بائی مسکرائی۔ "بس آپ اسی ماہ کی چودہ تاریخ طے کر لیں، طاؤس خان کو اطلاع دے کے برات لے کے آ جائیں۔ زیادہ دیر کرنا مناسب نہیں ہے۔"

☆......☆......☆

مقررہ تاریخ کو پایاؤ خان برات لے کر درخانی کے دروازے پر آ موجود ہوا تھا۔

"نہیں میر بائی...... میں آدم خان کی امانت ہوں۔ میں کسی اور کے ساتھ بھلا کس طرح شادی کر سکتی ہوں۔ میں ہرگز ہرگز نکاح کی حامی نہیں بھروں گی۔"

درخانی کی بات سن کر میر بائی کے اوسان خطا ہو گئے۔ اسے اپنی ساری محنت اکارت جاتی محسوس ہوئی تو لپک کر درخانی کے قریب پہنچی اور اسے اپنے سینے سے لگا کر بولی۔ "درخانی...... میری بچی، بے شک میں نے تجھے پیدا نہیں کیا مگر ماں بن کر پالا ہے۔ دیکھو میری بچی، اگر اس وقت تو نے نکاح سے انکار کیا یا رخصت ہونے کو تیار نہ ہوئی تو تیرے باپ کی سفید داڑھی میں کالک لگ جائے گی۔ سب اس پر تھو تھو کریں گے...... لوگ میری پرورش پر بھی انگلیاں اٹھائیں گے کہ سات پردوں میں پال پوس کر میں نے جس درخانی کو پروان چڑھایا وہ اندر سے ایسے کردار کی نکلی کہ کسی دوسرے مرد کے عشق میں گرفتار ہو کر اس نے باپ کی عزت نیلام کر دی...... میری بچی اس وقت تو خاموشی سے ایجاب و قبول کے بعد ڈولی میں بیٹھ جا۔ باقی کی بعد میں دیکھی جائے گی۔"

میر بائی کے سمجھانے بجھانے پر باپ کی عزت کی خاطر درخانی نے سر جھکا دیا اور رخصت ہو کر پایاؤ خان کے محل نما گھر میں چلی آئی۔ مگر جب رات کو پایاؤ خان حجلہ عروسی میں داخل ہوا تو درخانی پر ایسی وحشت سوار ہوئی کہ وہ "آدم خان" کا نعرہ بلند کرتے ہوئے بے ہوش ہو گئی۔

میر بائی، درخانی کے ساتھ گئی تھی۔ پایاؤ خان نے اس سے آدم خان کے بارے میں پوچھا تو مجبوراً اس نے سر جھکا کر ساری بات اس کے گوش گزار کر دی۔ "کیا درخانی بھی اس کو چاہتی ہے؟" پایاؤ خان نے سوال کیا......

"نہیں میرا خیال ہے ساری چاہت یکطرفہ ہے...... صرف آدم خان ہی اسے دیوانہ وار چاہتا ہے۔"

رات گزر گئی، صبح صادق کے ساتھ ہی درخانی کو ہوش آ گیا۔ شام کو پایاؤ خان نے ولیمے کی دعوت کا زبردست انتظام کیا تھا، جس میں پورا گاؤں اور قرب و جوار کے رؤسا مدعو تھے۔ رات گئے تک ہلا گلا رہا۔ قہقہے گونج رہے تھے۔ ہنسی کی پھلجھڑیاں چھوٹ رہی تھیں، مگر درخانی کی پلکیں پرنم تھیں اور دل محبوب کے فراق میں سسک رہا تھا۔

ادھر جب آدم خان کو درخانی کی شادی کی خبر ہوئی تو اس نے ایک نعرہ مستانہ "درخانی" کے نام کا بلند کیا اور بے ہوش ہو کر زمین پر گر گیا۔ اس کے دوست اسے اٹھا کر بستر تک لائے۔ اس کے باپ حسن خان کو اطلاع دی گئی۔ حسن خان دوڑا دوڑا بیٹے کے پاس پہنچا۔

فوری طور پر حکیم، طبیب اور سیانے بلائے گئے۔ سب کی ایک ہی رائے تھی کہ آدم خان کے دل و ذہن کو کوئی شدید صدمہ پہنچا ہے جس نے اس کے ہوش و حواس چھین لئے ہیں۔ تب میرو اور بالو خان نے حسن خان کو درخانی کی شادی کی خبر دی، تو حسن خان گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔

کئی لمحوں بعد اس نے سر اٹھا کر پُرسوچ آواز میں کہا۔ "اس کا مطلب ہے کہ آدم خان کا علاج اب یہی ہے کہ کسی بھی طرح درخانی کو اس کے قریب پہنچا دیا جائے۔ اب یہ میرے بیٹے کی زندگی کا سوال ہے۔ اب میں کچھ بھی کر گزرنے پر مجبور ہوں۔"

اور اگلے دن حسن خان سات ہزار جنگجو لے کے پایاؤ خان کے گھر پر حملہ آور ہوا اور درخانی کو پایاؤ خان کی تحویل سے نکال لایا۔ وہ اسے پایاؤ خان سے طلاق دلوا کر اپنے گاؤں لے جانا چاہتا تھا، اس لئے اس نے فیصلہ کیا کہ وقتی طور پر درخانی کو کسی ایسی جگہ چھپایا جائے جہاں پایاؤ خان کی سوچ بھی نہ جا سکے۔

"ایسی جگہ...... تو، خان میرا گھر ہی ہو سکتا ہے۔" میر بائی نے آگے بڑھ کر اپنی خدمات پیش کرتے ہوئے کہا۔ "آپ درخانی کو میرے گھر میں چھپا دیں تو طاؤس خان اور نہ ہی پایاؤ خان یہ بات سوچ سکتے ہیں کہ درخانی میرے گھر میں پوشیدہ ہو سکتی ہے۔ میں اس کی کھلائی ہوں، میں نے اسے ماں بن کر پالا ہے۔ میں اس کا بھلا اور خوشی چاہتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" حسن خان نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "میر بائی، درخانی تمہارے گھر میں میرے بیٹے آدم خان کی امانت ہے۔ اس کا خیال رکھنا اور کسی کو بھنک بھی نہ پڑنے دینا کہ وہ تمہارے گھر میں موجود ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں خان۔"

ادھر میر بائی، درخانی کو اپنے گھر لے گئی۔ ادھر حسن خان نے شہر کے عمائدین کے ذریعے پایاؤ خان پر دباؤ ڈالنا شروع کیا کہ وہ درخانی کو طلاق دے دے۔

اسی دوران پایاؤ خان کے خادم خانو نے اسے اطلاع دی کہ درخانی اس کی تائی میر بائی کے گھر موجود ہے۔ اگر وہ سونے کے سکوں سے بھری ہوئی تھیلیاں میر بائی کو دے تو وہ درخانی کو اس کے حوالے کر دے گی۔

پایاؤ خان اسی وقت سونے کے سکوں سے بھری پانچ تھیلیاں لے کے میر بائی کے گھر پہنچا...... میر بائی نے سونے کے عوض درخانی دوبارہ پایاؤ خان کے حوالے کر دی۔

بات بنتے بنتے ایک بار پھر بگڑ گئی تھی...... تقدیر آدم خان پر مہربان ہوتے ہوتے ایک بار پھر روٹھ گئی تھی۔ آدم خان کو اب اپنا بھی ہوش نہ تھا۔ اس کے بال بڑھ گئے تھے۔ داڑھی مونچھیں تنکوں کی طرح خشک اور بے رونق تھیں، چہرے پر مایوسی پھیلی ہوئی تھی۔ آنکھوں سے کرب و اداسی ٹپکتی تھی...... اس نے جوگیوں کا ساز ردلبادہ زیب تن کیا اور اپنا رباب لے کر گھر سے نکل پڑا اور یوں وہ جڑی بوٹیوں کی تلاش کرنے والے جوگیوں کے ایک گروہ میں جا شامل ہوا۔

جوگیوں کے ساتھ کئی بستی کئی دیہاتوں اور کئی پہاڑی علاقوں کا چکر کاٹتے ہوئے آخر کار ان جوگیوں نے پایاؤ خان کے باغ میں ڈیرہ لگایا۔

ایک رات آدم خان ایک پیڑ کے تنے سے ٹیک لگائے رباب بجا رہا تھا کہ درخانی کے کانوں تک رباب کی آواز پہنچی۔ وہ بے اختیار دریچے کی جانب لپکی۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ اس سے چند گز کے فاصلے پر اس کا محبوب اس کا آدم خان ایک جوگی کے روپ میں کھڑا رباب بجا رہا تھا۔ وہ دیوانہ وار باہر نکلی اور دوڑتی ہوئی آدم خان کے قریب جا پہنچی......

"آدم خان۔" اس کی آواز پر اس نے بے ساختہ آنکھیں کھولیں۔ سامنے اس کا مطلوب اس کا محبوب اس کا مقصود موجود تھا۔ "درخانی۔" اس نے اسے شانوں سے تھامتے ہوئے بے یقین لہجے میں سرگوشی کی۔ "یہ تم ہو یا میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔"

"نہیں میرے آدم خان...... یہ تمہارے جذبے کی سچائی ہے جو آج میں تمہارے سامنے اور تم میرے سامنے ہو اور اب ہر رات ایسا ہی ہوگا، جب پایاؤ خان سو جائے گا...... میں تم سے ملنے تمہارے پاس چلی آؤں گی۔"

اسی طرح کئی راتیں بیت گئیں۔ وہ ایک دوسرے سے ملتے اور ایک دوسرے کی محبت کے سمندر میں غوطہ زن ہو جاتے۔ ابھی ان کا سفینہ عشق ساحل امید سے دور ہی تھا کہ پایاؤ خان کو کچھ شبہ ہوا اور اگلے ہی دن اس نے تمام جوگیوں کو حکم دے دیا کہ اس کا باغ چھوڑ کر فوری طور پر یہاں سے روانہ ہو جائیں۔ مجبوراً آدم خان کو بھی رخصت ہونا پڑا۔ اب پھر ہجر کی آگ تھی اور وہ دونوں عشق کے دیوانے اس آگ میں جل رہے تھے۔ آدم خان کی حالت روز بہ روز بگڑتی جا رہی تھی۔ وہ کئی کئی دن کھانے کو ہاتھ نہ لگاتا۔ پاگلوں کی طرح دیواروں سے باتیں کیے جاتا۔ کبھی رباب بجا کر اتنے دکھی اور درد بھرے انداز میں گیت چھیڑتا کہ سننے والوں کا کلیجہ منہ کو آنے لگتا۔

"بس اب بہت ہو گئی۔" ایک شام اس کے باپ حسن خان نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "اب میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں آدم خان کی کسی اچھے گھر میں کسی اچھی لڑکی سے شادی کر دوں گا۔ گھر گرہستی کے بندھن میں بندھ کر وہ درخانی اور اس کے لاحاصل عشق کو بھول جائے گا۔"

"نہیں بابا۔" آدم خان نے دوٹوک لہجے میں کہا۔ "آدم خان کے دل میں صرف درخانی رہ سکتی ہے۔ میرے دل میں نہ میرے گھر میں کسی دوسری لڑکی کی کوئی گنجائش نہیں۔ میں مر تو سکتا ہوں مگر درخانی کی جگہ کسی اور لڑکی کو نہیں دے سکتا۔"

"میرے بیٹے!" حسن خان نے کرب بھرے لہجے میں۔ "دنیا میں ایک درخانی ہی حسین لڑکی نہیں ہے۔ میں تمہارے لئے اس سے بھی زیادہ حسین دلہن ڈھونڈ کر لاؤں گا۔ بس تم ایک بار شادی کے لئے حامی بھر لو۔"

"نہیں بابا۔ یہ دل صرف درخانی کے لئے دھڑکتا ہے۔ کسی اور کی طرف اسے راغب کرنے کی کوشش کی تو یہ ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے گا۔"

مگر حسن خان اپنی محبت سے مجبور تھا۔ وہ آدم خان کو یوں برباد نہیں دیکھ سکتا تھا چنانچہ اس نے ایک اچھے خاندان میں ایک بے حد خوبصورت لڑکی راگنی سے اس کا رشتہ طے کر دیا۔

جب آدم خان کو پتہ چلا تو اس نے کہا۔ "بابا میں نے آپ سے کہا تھا نا یہ دل صرف درخانی کے لئے دھڑکتا ہے۔ کسی اور سے اس کا ناتا جوڑنے کی کوشش کی گئی تو یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے گا۔ رک جائے گا۔"

اور ایسا ہی ہوا، جس شام آدم خان کی برات جانی تھی، اسی شام قفس عنصری سے اس کی روح پرواز کر گئی۔

آدم خان کی موت کی خبر جب درخانی تک پہنچی تو وہ لڑکھڑا کر ایسی گری کہ پھر اٹھ نہ سکی...... خادماؤں نے اسے تھام کر بستر پر لٹایا اور پایاؤ خان کو خبر دی۔

"پایاؤ خان طبیب کو لے کر پہنچا۔ طبیب نے اس کی کلائی تھام کر نبض دیکھتے ہی اس کی موت کا اعلان کر دیا......

اس کے باپ طاؤس خان کو خبر ملی تو وہ سر میں خاک ڈالتا روتا ہوا آ موجود ہوا۔ "میری درخانی! کبھی ایک بار تو نے اپنے باپ کو تو آدم خان کے بارے میں بتایا ہوتا۔ میں خود آدم خان کے گھر تیری ڈولی لے جاتا۔ تجھے اپنے ہاتھوں سے دلہن بنا کر تیرے آدم خان کے حوالے کر دیتا۔"

آج شقی القلب میر بائی کی آنکھوں سے اشک رواں تھے۔ آج وہ اپنے ہر عمل پر پچھتا رہی تھی۔ کاش اس نے چند سکوں کی خاطر ان دو محبت کرنے والوں کی ملاپ کی راہ میں روڑے نہ اٹکائے ہوتے۔ وہ دونوں باہم مل جاتے تو شاید آج زندہ ہوتے۔

طاؤس خان اپنی چہیتی بیٹی کی نعش اپنے گھر لے آیا اور شام کو اسے اپنے آنگن میں دفن کر دیا۔

ادھر آدم خان کو بھی اس کے آبائی قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔

ایک شام ایک کفن چور نے کفن چرانے کی غرض سے آدم خان کی قبر کھولی تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ قبر خالی تھی۔ وہاں آدم خان موجود نہ تھا۔ اس نے جا کر اس کے باپ حسن خان کو اطلاع دی تو وہ حیران و پریشان قبر پر پہنچا۔ واقعی قبر خالی تھی۔

اس وقت آدم خان کے دوستوں میرو اور بالو خان نے بتایا کہ ایک رات درخانی سے ملاقات کے دوران آدم خان نے کہا تھا کہ دنیا میں تو کیا وہ اپنی قبر میں بھی اس کے بغیر نہیں رہے گا۔ یقیناً وہ درخانی کی قبر میں ہوگا۔"

لوگوں کو ان کی بات کا یقین نہ آیا مگر حسن خان اسی وقت ان دونوں کو لے کے طاؤس خان کے گھر پہنچا اور اس سے اجازت لے کر درخانی کی قبر کھولی گئی اور اس وقت لوگ حیرت زدہ رہ گئے، جب درخانی کی قبر میں آدم خان کا جسد خاکی موجود پایا گیا۔ لوگ ان دونوں کی لافانی محبت پر رو پڑے۔ قبر بند کر دی گئی۔

اس قبر پر بیری کا ایک درخت ہے۔ کہا جاتا ہے جو شخص اس قبر کے ساتھ اگے درخت سے لکڑی کا ٹکڑا لے کر مضراب کے طور پر استعمال کرے تو وہ فوراً ہی رباب بجانا سیکھ لیتا ہے۔

آدم خان اور درخانی شہیدِ محبت ہیں۔ ان کی پاک روحیں آج بھی وادی سوات کی پُرفضا وادیوں میں گنگناتی پھر رہی ہیں اور دونوں کے جسد خاکی ایک ہی قبر میں موجود ہیں، جو دنیا میں ایک ساتھ نہیں رہ سکے، وہ قیامت تک ایک ہی قبر میں محو استراحت رہیں گے۔

(ختم شد)

www.pdfbooksfree.org